مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول: (مولانا) مشرف علی تھانوی

مدیر: ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۱۶ | شعبان ۱۴۳۶ھ | جون ۲۰۱۵ء | شمارہ ۶

حب العاجلہ

دنیا کی محبت

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۲۰ روپے | زرسالانہ =/۲۰۰ روپے

ماہنامہ الامداد لاہور

۳۵۴۲۲۲۱۳
۳۵۴۳۳۰۴۹

پتہ دفتر: جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ ٹرسٹ

۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

ناشر: (مولانا) مشرف علی تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس

۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت

جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ ٹرسٹ لاہور پاکستان

(حبّ العاجلہ)

دنیا کی محبت

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تمہید	۹
۲	چھوٹوں کی حوصلہ افزائی	۹
۳	مختصراً بیان کرنے کا ارادہ	۱۲
۴	خطبہ ماثورہ	۱۲
۵	اہمیت مضمون	۱۳
۶	علم وعمل کے بیان کی ضرورت	۱۴
۷	عارفین کی عبادت کا درجہ	۱۵
۸	علم اور صحبت	۱۶
۹	صحابہ کا علم	۱۷
۱۰	شبہ کا جواب	۱۸
۱۱	اہل اللہ سے وابستگی کا فائدہ	۱۹
۱۲	اہل اللہ سے عدم وابستگی کی وجہ	۲۱
۱۳	تکبر کا نقصان	۲۲
۱۴	ظاہری حالت پر مدار نہ رکھو	۲۲
۱۵	اہل اللہ کی نظر میں اسباب دنیا کی حقیقت	۲۳

۱۶	حکومت دنیا کی حقیقت	۲۴
۱۷	آج کل کی ترقی کی مثال	۲۴
۱۸	اہل اللہ کی بے نیازی	۲۶
۱۹	خدا کی پسندیدہ حالت	۲۷
۲۰	طالب بنو	۲۸
۲۱	علم کا فائدہ	۳۰
۲۲	عمل کی اہمیت	۳۰
۲۳	علم وعمل کا باہمی تعلق	۳۱
۲۴	مسئلہ تقدیر کی حکمت	۳۲
۲۵	تعزیت کا خوبصورت انداز	۳۴
۲۶	منکر تقدیر کا حال	۳۵
۲۷	نزول باری پر شبہ کا جواب	۳۶
۲۸	بے کار سوالات سے احتراز	۳۷
۲۹	صفات باری کا علم	۳۹
۳۰	ستاروں سے وجود باری پر استدلال	۴۰
۳۱	سائنسی مسائل کی قرآن میں تلاش کی حقیقت	۴۱
۳۲	توحید کی غایت	۴۱
۳۳	توحید کا کمال	۴۲
۳۴	حب دنیا کی حقیقت	۴۳

۳۵	من گھڑت حکایت	۴۴
۳۶	علماء سے تنفر کی وجہ اور تعلق پیدا کرنے کا طریقہ	۴۴
۳۷	چلہ کی حقیقت اور فائدہ	۴۵
۳۸	چلہ میں اخلاص کی ضرورت	۴۶
۳۹	ازالہ شکوک کا طریقہ	۴۷
۴۰	دنیا کی محبت سب گناہوں کی اصل ہے	۴۸
۴۱	غلط فہمی کا اندیشہ	۴۹
۴۲	ازالہ غلط فہمی	۴۹
۴۳	شبہ کا جواب	۵۱
۴۴	اہل درد کا حال	۵۲
۴۵	دنیا کی محبت کے درجات	۵۴
۴۶	گناہ صغیرہ وکبیرہ	۵۵
۴۷	حب عاجلہ کے مراتب	۵۶
۴۸	انکار رسالت انکار توحید کو مستلزم ہے	۵۸
۴۹	قومیت پرستی	۵۸
۵۰	مکّار پیروں کی مثال	۵۹
۵۱	پرانی وضع کے لوگوں کا حال	۶۰
۵۲	جدت پسند جماعت	۶۲
۵۳	اصلاح کا طریقہ	۶۲

۵۴	نفس پرستی کا علاج	۶۳
۵۵	شبہ کا جواب	۶۵
۵۶	واعظین کو نصیحت	۶۵
۵۷	اہل ظاہر کا حال اور ان کی اصلاح کا طریقہ	۶۷
۵۸	اہل اللہ کا حال	۶۸
۵۹	اہل باطن کا حال	۷۰
۶۰	اہل باطن کو نصیحت	۷۱
۶۱	نمازی اور بے نمازی کا حال	۷۳
۶۲	حاجی صاحب کا ملفوظ	۷۳
۶۳	حکایت	۷۴

وعظ

(حبّ العاجلہ)

دنیا کی محبت

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے وعظ ''حب العاجلہ'' ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ کو موتمر الانصار کے جلسہ منعقدہ میرٹھ میں کھڑے ہوکر تین گھنٹے تک ارشاد فرمایا سامعین کی تعداد پانچ ہزار سے متجاوز تھی مولانا سعید احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے قلم بند فرمایا۔ دنیا کی محبت کی برائی کو تفصیل سے بیان کیا کسب دنیا اور حب دنیا میں فرق کو واضح کرکے بتایا کہ کسب دنیا تو ضروری اور جائز ہے حب دنیا ممنوع ہے۔ اور حب دنیا وہ ہی ہے جس میں ترک آخرت لازم آئے۔ حب دنیا کے مختلف درجات کو ذکر فرما کر بتلایا کہ اس بیماری میں دنیا دار' دیندار' اور صوفیاء سب ہی مبتلاء ہیں اس بیماری کا علاج اور اس سے بچنے کے طریقے تفصیل سے بیان فرمائے' اللہ تعالیٰ تمام قارئین کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۳۴ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارك وسلم **اما بعد:**

تمہید

اما بعد! مضمون مقصود کے شروع کرنے کے پیشتر دو باتیں جو نہایت ضروری ہیں کہتا ہوں اُن میں ایک بات تو کل گذشتہ تقریر کے بعض اجزاء کے متعلق ہے اور دوسری آج ہی کے متعلق ہے ان کے بعد ان شاء اللہ مضمون مقصود شروع ہوگا۔ کل کی تقریر کے متعلق تو یہ کہنا ہے کہ سب صاحبوں کو جو کل کے بیان میں شریک تھے یاد ہوگا کہ میں نے یہ کہا کہ خدا کا احسان ہے کہ ہم اُس جماعت میں ہیں جن کے چھوٹوں کو بھی میں اپنے سے بڑا سمجھتا ہوں۔ اُس وقت ممکن ہے کہ بعض خواہ مخواہ کے معتقدین کو شبہ ہوا ہو، اور ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی ہو مگر آج کی تقریر سے جو ابھی آپ لوگوں نے سنی میرے گذشتہ دعوے کی بدیہی دلیل آپ نے دیکھی ہوگی۔

چھوٹوں کی حوصلہ افزائی

یہ صاحب جنہوں نے تقریر پڑھی ہے اس جماعت میں سب سے چھوٹے

ہیں مگر مجھ سے بڑے ہیں۔ میں ان کی مدح نہیں کرتا محض تحدث بالنعمۃ (۱) کے طور پر بیان کرتا ہوں۔ اور اس پر میں اس لئے مجبور ہوا ہوں کہ یہ قاعدہ ہے کہ جس شخص کے دل میں اسلام ہوگا اُس کے دل میں اہلِ اسلام کے ساتھ درد اور اُن پر شفقت بھی ہوگی جو کہ اسلام کے آثار سے ہے اسی قاعدے کے مطابق چونکہ بحمداللہ مجھے بھی خدا تعالیٰ نے دولتِ اسلام سے مشرف فرمایا ہے اس لئے اُس کے آثار مذکورہ ہمدردی و شفقت بھی عطا فرمائے ہیں اس لئے میں براہِ شفقت سوچا کرتا تھا کہ یہ کام جو خدا تعالیٰ نے مجھ سے لیا ہے میرے بعد اس کی کیا حالت ہوگی اور کون شخص اُس کو سنبھال سکے گا اور اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں اپنی تعریف کرتا ہوں۔ یا اُس کام کے کرنے میں اپنا کوئی کمال یا اپنے کسی احسان کا اظہار کرتا ہوں بلکہ یہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ چاہے چھوٹے سے بڑا کام لیلے اور اُس میں خدا تعالیٰ ہی کا احسان ہے پس اگر ہم کو کسی کام کی توفیق ہوگئی ہے تو اُس میں ہمارا کیا احسان ہے خدا تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے توفیق دی ؎

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمیں کُنی منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتنت

''تو بادشاہ پر اس بات کا احسان مت رکھ تو اس کی خدمت کر رہا ہے بلکہ احسان مان کہ اس نے تجھ کو اپنی خدمت کے لئے رکھ لیا''

تو میں نہ تواضعاً کہتا ہوں نہ تکبراً (۲) اور اگر یہ تکبر ہے تو پہلی تواضع سے اُس کو برابر کرلیا جائے تو اُن خدمتوں کو دیکھ کر جن کی خدا تعالیٰ نے مجھے توفیق دی اس بناء پر کہ جب علت میں کمی ہوتی ہے تو معلول میں بھی کمی ہوتی ہے یہ سوچا کرتا تھا کہ میرے بعد ان کاموں کا کیا انتظام ہوگا اور اس بناء (۳) پر میں ہمیشہ موت سے ڈرا کرتا تھا کیونکہ یہ خیال ہوتا تھا کہ جب میں نہ ہوں گا تو بعضے کام یوں ہی رہ

(۱) نعمت کے تذکرے کے طور پر کہتا ہوں (۲) نہ عاجزی سے کہتا ہوں نہ بطور تکبر (۳) اس وجہ سے۔

جائیں گے اور سبب اس خیال کا وہی تھا کہ اُن خاص خدمتوں کا بظاہر کوئی ذریعہ نظر میں نہ تھا گو بڑے کام کے لئے بڑے حضرات موجود ہیں مگر یہ چھوٹے کام کون کرے گا اگرچہ یہ اعتقاد بھی تھا کہ خدا تعالیٰ اپنا کام لینے کے لئے کوئی سبیل ضرور کردیتے ہیں مگر پھر بھی سوچ طبعی تھی مگر اب بحمداللہ یہ سب خلجان (۱) رفع ہوگئے کیونکہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ بہت سے نوجوان کام کررہے ہیں جن سے اُمید ہے کہ وہ کام کو نباہ لیں گے لہذا ہم اگر آج چلے جائیں تو کیا اور کل چلے جائیں تو کیا (جو صاحب اس وعظ کو مطالعہ فرمائیں ان سے جامع وعظ کی ملتجیانہ التماس ہے کہ وہ صدق دل سے جناب باری سے دعا کریں کہ خدا تعالیٰ حضرت مولانا دامت برکاتہم کو تادیر بایں فیوض و برکات قائم رکھے اور تشنگانِ زُلال شریعت کو اس سرچشمہ سے سیراب (۲) فرماتا رہے آمین) انہیں نوجوانوں میں ایک مولوی محمد مرتضیٰ حسن صاحب بھی ہیں مولوی صاحب موصوف اگرچہ صورت سے بڈھے معلوم ہوتے ہیں لیکن طبیعت اور عمر کے اعتبار سے ابھی بالکل نوجوان ہیں بلکہ اگر بے ادبی نہ ہوتی تو کہتا کہ مولوی صاحب میری گود کے کھلائے ہوئے ہیں اور ابھی تو آپ نے دو ہی دیکھے ہیں ایسے بحمداللہ بہت سے ہیں آپ سب صاحب دعا کریں کہ خدا تعالیٰ ان کی عمروں میں برکت دیں اور ان سے اپنے دین کی خدمت علی الوجہ الاتم (۳) لیں اور ان کی طبیعتوں میں استقلال (۴) اور پابندی پیدا کریں۔ ان مولوی صاحب میں (مولوی شبیر احمد صاحب کی طرف اشارہ فرما کر) ابھی اتنی کمی ہے کہ یہ پابند نہیں۔ دعا کیجئے کہ خدا تعالیٰ ان کو پابندی عطا فرمائیں۔ (سب لوگ دست بدعا ہوئے) اور اس کے ذکر کرنے کی مجھے ضرورت نہ تھی لیکن صرف اس

(۱) پریشانی دور ہوگئی (۲) شریعت کے پیاسوں کی پیاس اس سرچشمہ سے بجھاتا رہے (۳) پورے طور پر لے لیں (۴) طبیعتوں میں مستقل مزاجی اور پابندی پیدا فرمادے۔

خیال سے کہ شاید مجمع کے سامنے اس کو سنکر آئندہ مولوی صاحب پابندی کا خیال فرمائیں میں نے ظاہر کردیا باقی کام جیسا کچھ یہ کرسکتے ہیں وہ آپ نے دیکھ ہی لیا۔

مختصراً بیان کرنے کا ارادہ

دوسرا مختصر مضمون جو آج کے متعلق کہنا ہے وہ یہ ہے کہ جو وقت میرے لئے وعظ کا مقرر کیا گیا تھا اُس میں سے کچھ حصہ گذر گیا ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ بہت اچھی حالت میں گذرا اب اگر میں پورا وقت لیتا ہوں تو بہت زیادہ دیر ہوگئی اس لئے وقت کم لوں گا اور اپنی تقریر کو انتہائے جلسہ کے معین وقت ہی پر ختم کردوں گا اور اس کمی کا ایک سبب بھی ہے اور وہ یہ کہ گذشتہ مضمون کے بعد اب میرے بیان کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں رہی اور شاید اُس مضمون کی عظمت کے سامنے میں چل بھی نہ سکوں۔ (حضرت مولانا نے یہاں تک فرمایا تھا کہ چاروں طرف سے آوازیں بلند ہوئیں۔ آپ جتنی دیر چاہیں بیان فرمائیں ہم لوگ کو دیر ہونے کی ذرا پروانہیں آپ ہماری تکلیف کا ذرا خیال نہ کریں۔ للّٰہ درّ من قال : (اللہ تعالیٰ اس کا بھلا کریں جس نے یہ بات کہی) ع

قبولِ خاطر و لطفِ سخن خدا داد ست(۱)

اب میں شروع کرتا ہوں اور اس طریقۂ قدیم کے موافق خطبہ پڑھتا ہوں

خطبہ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ

(۱) آپ کا انداز بیان خداداد ہے جو دلوں میں اتر جاتا ہے۔

وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارك وسلم **اما بعد**: فقد قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ﴾ (اے منکرو) ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم دنیا سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو ترک کئے دیتے ہو۔

اہمیت مضمون

جس مضمون کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں وہ ایک نہایت ضروری مضمون ہے اور تتمہ ہے مولوی شبیر احمد صاحب کے مضمون کا۔ مشہور تو یوں ہے کہ اگر پدر نتواند پسر تمام کند ''اگر باپ کسی کام کو پورا نہ کر سکے تو بیٹا پورا کرے گا'' مگر اس وقت اس کا عکس پڑھ لیجئے اگر پسر نتواند پدر تمام کند ''اگر بیٹا کسی کام کو پروا نہ کر سکے تو باپ پورا کرے گا'' مگر یہ میں نے ازراہِ بے تکلفی ان کی کم عمری کے اعتبار سے کہہ دیا ہے امید ہے کہ مولوی صاحب برا نہ مانیں گے کیونکہ واقع میں ان کو میں اپنے سے بڑا سمجھتا ہوں۔ غرض اس وقت میں جو کچھ بیان کروں گا وہ مولوی صاحب کے مضمون کا تتمہ ہوگا اور مولوی صاحب کا مضمون اگرچہ بالکل کافی تھا لیکن اس کے بعض اجزاء کی توضیح (۱) کی ضرورت ہے۔ میرا قصد پہلے سے بھی اس مضمون کو بیان کرنے کا تھا مگر اتفاق سے مولوی صاحب کے لئے بھی یہ ہی مضمون تجویز کیا گیا مگر مولوی صاحب نے صرف اعتقادی حالت کو آخرت کے متعلق زیادہ بیان کیا ہے چونکہ اس کے متعلق ایک دوسرا پہلو عمل کا بھی ہے اس لئے میں اُس کو بیان کئے دیتا ہوں کہ دونوں بیانوں کا مجموعہ آخرت کے دونوں ضروری پہلوؤں کو حاوی ہو جائے ارشاد ہوتا ہے کہ اے لوگو! تم دنیا سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑے دیتے ہو۔ اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ اُن دنیاداروں کی شکایت فرما رہے ہیں جو کہ آخرت کو چھوڑ کر دُنیا کے پیچھے پڑ گئے ہیں اور ظاہر ہے کہ دُنیا سے محبت کرنا اور آخرت کو چھوڑنا یہ دونوں باتیں عمل ہیں علم نہیں۔

---

(۱) بعض باتوں کی مزید وضاحت کی ضرورت ہے۔

علم وعمل کے بیان کی ضرورت

اور عمل کے بیان کرنے کی ضرورت اس لئے ہے کہ ہر علم کے لئے عمل غایت ہے (۱) اگر چہ ظاہر نظر میں بعض علم خود بھی مقصود معلوم ہوتے ہیں مگر نظر غائر سے (۲) ان علوم کا ثمرہ بھی کوئی عمل ہے۔ چنانچہ آگے عنقریب معلوم ہوگا اور اس مسئلے کی بابت کہ ہر علم کے ساتھ عمل بھی ہے علمائے شریعت کا قول تو سب کو معلوم ہے کہ وہ احکام میں ایک درجۂ اعتقاد اور ایک درجہ عمل نکالتے ہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ عقلاء حکماء اطباء وغیرہ ہر فرقہ اسی حکم پر ہے اور ہر جماعت ہر فن میں دو جزو ضروری مانتی ہے ایک علم اور دوسرا عمل۔ اور اپنے اپنے درجے میں دونوں مطلوب سمجھے جاتے ہیں اور علوم تو بعض بظاہر ایسے بھی ہیں جن کو عمل سے کوئی تعلق نہیں یعنی اُن علوم کا اثر مرتب ہونے میں کسی عمل کی ضرورت نہیں ہے بلکہ محض علم ہی سے اس کا اثر اُس پر مرتب ہوجاتا ہے۔ گو نظر غائر سے اُن علوم سے بھی بعض اعمال کسی درجے میں مقصود ہیں لیکن عمل کوئی ظاہر میں بھی ایسا نہیں ہے کہ وہ علم سے مستغنی ہو مثلاً علم توحید ایک ایسا علم ہے کہ اگر کسی قسم کا عمل نہ کیا جائے تب بھی اُس کا ثمرہ یعنی نجات (اگر چہ بد پر سہی) اُس پر مرتب ہوگا اور اُس کو کسی عمل کی ضرورت نہ ہوگی لیکن کسی عمل مثل نماز روزہ کی بابت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ بغیر اعتقاد کے اس عمل کا اثر اُس پر مرتب ہوجائے گا تو دونوں کے تعلق میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علم تو کسی درجے میں عمل سے مستغنی ہے (۱) لیکن عمل علم سے اصلاً مستغنی نہیں اور یہ ہی راز ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عبادت کا مقابلہ کوئی عبادت نہیں کرسکتی۔

(۲) علم سے مقصود عمل ہوتا ہے (۳) گہری نظر سے دیکھیں تو ان علوم کا ثمرہ بھی عمل ہے (۱) بے نیاز ہے۔

عارفین کی عبادت کا درجہ

وجہ یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں علم اور معرفت درجۂ کمال پر تھا اس کی تائید میں مرشدنا حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا ایک ارشاد نقل کرتا ہوں۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ عارف کی دو رکعتیں غیر عارف کی ہزار رکعتوں سے بھی زیادہ درجہ رکھتی ہیں وجہ فرق کی یہی ہے کہ عارف کو جو علم و معرفت حاصل ہے غیر عارف کو حاصل نہیں۔ اور کوئی شخص یہ نہ سمجھنے کہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مبالغۃً ایسا فرمادیا ہوگا ہرگز نہیں صاحبو! یہ بالکل واقع کے مطابق ہے اور اس سے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عمقِ علم (۱) معلوم ہوتا ہے اور یہی دو علوم ہیں جن کی وجہ سے مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے متبحر (۲) یوں فرماتے تھے کہ مجھے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جو کچھ اعتقاد ہوا ہے وہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علم کی بدولت ہوا ہے تو اس میں اگر غور کیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ذرا مبالغہ نہیں فرمایا۔ خود حدیث شریف میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ اگر ایک صحابی رضی اللہ عنہ ایک مُد یا نصف مُد (۳) صدقہ دیں اور غیر صحابی جبل اُحد کی برابر صدقہ دیں تو غیر صحابی کا یہ صدقہ صحابی کے نصف مُد کی برابر نہیں ہوسکتا۔ اب ذرا مدینہ منورہ جاکر دیکھئے کہ نصف مُد غلہ کس قیمت کا ہوتا ہے اور اس قیمت کا کس قدر چاندی یا سونا آتا ہے اور وہ سونا جبلِ اُحد سے کیا نسبت رکھتا ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ بلا توسط قیمت کے اگر خود نصف مُد غلہ کا طول وعرض بھی لیجئے اور اُس مقدار کو جبلِ احد (۴) کے مقابلے میں دیکھئے کہ کیا نسبت رکھتا ہے ظاہر ہے کہ اس کو جبلِ اُحد سے کوئی نسبت بھی نہیں تو اس کا مقتضا یہ

(۱) علم کی گہرائی کا پتہ چلتا ہے (۲) گہرے علم والے (۳) ایک صاع یا نصف صاع (۴) احد پہاڑ۔

تھا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کروڑوں (۱) حصے سے زیادہ فرماتے بہرحال مقصود واضح ہوگیا۔ تو وجہ اس تضاعف (۲) کی یہی علم اور معرفت ہے۔

علم اور صحبت

اور یہاں شاید کسی شخص کو یہ شبہ ہو کہ مولوی بھی عجیب چیز ہوتے ہیں ایک ہی چیز سے جو کام چاہتے ہیں لے لیتے ہیں اس حدیث شریف سے اس وقت علم کی فضیلت ثابت کردی گئی اور اکثر اس سے صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ثابت کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے کہ صحبت سے ایسا خلوص میسر ہوا تھا کہ عمل میں یہ برکت ہوگئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں لازم وملزوم (۳) ہیں ایک کا حصول دوسرے کا حصول ہے مقصود ہر طرح حاصل ہے اس تلازم وتجاذب کی (۴) وہ حالت ہے کہ ؎

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بہ کف　　گر بکشد زہے طرب ورنہ بکشم زہے شرف

''اگر میری قسمت ساتھ دے تو میں اس کا دامن اپنے ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑلوں پھر اگر وہ اپنی طرف کھینچ لے تب بھی میں خوش ہوں اگر میں اس کو اپنی طرف کھینچ لوں تو یہ بھی میرے لئے عزت کی بات ہے''

عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَحُسْنُكَ وَاحِد　　وَكُلٌّ اِلٰی ذَاكَ الْجَمَالِ يُشِيْر

''ہمارے مضمون تو الگ الگ ہیں مگر سب کا مقصد ایک ہی ہے اور ہمارے سب مضامین اسی کے جمال کی طرف اشارہ کرتے ہیں''

خواہ اس طرح کہدیجئے یا اُس طرح۔ اگر خلوص صحبت کی برکت سے ہے تو علم خلوص کی برکت سے۔

---

(۱) عارف کی دو رکعتیں غیر عارف کی کروڑوں رکعتوں سے زائد فرماتے (۲) اس زیادتی ثواب کی وجہ (۳) ایک دوسرے کے لئے ضروری ہیں (۴) اس ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہونے کی حالت یہ ہے۔

صحابہ کا علم

بلکہ اگر غور کیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات میں علم کا مرتبہ صحبت وغیرہ سب سے مقدم ہے کیونکہ صحبت بھی علم ہی کی بدولت نصیب ہوئی۔ پس علم مستلزم ہوا صحبت کو اور صحبت مستلزم خلوص کو(۱)۔ پھر اس خلوص سے علم اور معرفت میں ترقی ہوئی۔ تفصیل اس کی کہ علم سے صحبت ہوئی یہ ہے کہ جب حضور ﷺ نے دعوتِ اسلام فرمائی تو تمام عرب بلکہ تمام انس وجن مخاطب تھے تو اس کی کیا وجہ کہ ان سب میں صرف انہی حضرات کی سمجھ میں آیا دوسرے مخاطبین مثلاً ابوجہل ابولہب کیوں نہیں سمجھ سکے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے پاس خدا تعالیٰ کی عطاء کی ہوئی کوئی ایسی دولت موجود تھی جو کہ ابوجہل کے پاس نہ تھی اگرچہ ظلمات کفر میں اُس کی چمک دمک چھپی ہوئی تھی یہی وجہ تھی کہ حضرت عبداللہ ابن سلامؓ نے حضور ﷺ کو دیکھتے ہی اقرارِ رسالت کیا چنانچہ انہوں نے فرمایا ہے (فلمّا تَبیفت وجهه علمت انه لیس بوجه کذّاب) کہ میں نے آپ کو دیکھتے ہی یہ معلوم کرلیا کہ یہ چہرا جھوٹے کا نہیں ہے ؎

آفتاب آمد دلیل آفتاب　　گر دلیلت باید ازوے رومتاب

''دھوپ ہی سورج کے ہونے کی کافی دلیل ہے اگر دلیل ہی چاہتا ہے اس کی طرف سے منہ کومت پلٹا اور نہ ہٹا''

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ آئندہ شعر عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے قول کا گویا پورا ترجمہ ہے فرماتے ہیں کہ:

نور حق ظاہر بود اندر ولی　　نیک بیں باشی اگر اہلِ دلی

(۱) علم کی وجہ سے صحبت اختیار کی اور صحبت کی بناء پر خلوص پیدا ہوا۔

''اللہ تعالیٰ کا نور اللہ کے ولی کے اندر خود بخود ظاہر ہوجاتا ہے اگر تو اہلِ دل ہے تو اچھی طرح دیکھ''

گفتگو حضور ﷺ کی بابت ہے اس لئے بجائے ولی کے نبی بدل دینا چاہیئے اور اسی کا ترجمہ مولوی ابوالحسن صاحب کاندھلوی نوراللہ مرقدہٗ کا شعر ہے ؎

مردِ حقّانی کی پیشانی کا نور کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

﴿سِیْمَا هُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾ ''ان کی عبادتوں کا نور ان کے چہرہ پر ظاہر ہوجاتا ہے''

تو ضرور یہ کوئی بات تھی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تھی دوسروں کو نصیب نہیں۔ اور صاحبو وہ بات صحابہ رضی اللہ عنہم کے علوم اور اُن کے معارف ہیں اور یہ اُس وقت کے علوم ہیں کہ جب تک دولت ایمان بھی اُن حضرات کے پاس نہ تھی صرف اُس کے حاصل ہونے کا احتمال تھا جس کے ساتھ ہی جانب مخالف کا احتمال بھی موجود تھا۔ گویا فیضان کا ایک ذرہ تھا کہ جس نے ہلا رکھا تھا اسی کو فرماتے ہیں ؎

جُرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند صاف گر باشد ندانم چوں کند

''مٹی ملی ہوئی ایک گھونٹ یعنی عشق مجازی جب مجنون بنا سکتی ہے تو اگر صاف ہو یعنی عشق حقیقی ہو تو معلوم نہیں کیا سے کیا بنادے''۔

جب اس پر علم کی یہ حالت تھی تو اسلام کے بعد اور فیضِ صحبت حاصل کر کے کیا حالت ہوئی ہوگی۔

شبہ کا جواب

شاید کسی کو یہ شبہ پیدا ہو کہ اس مجموعی تقریر سے صحابۂ کرام کی معارف وعلوم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے لیکن دوسروں کے علوم و معارف کی فضیلت کیسے

ثابت ہوگئی کہ کسی ولی کی بھی یہ حالت ہوجائے کہ اس کی دو رکعت دوسرے کی ہزار رکعت سے بڑھ کر ہوسکیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اولیاء کے معارف وعلوم انہی حضرات سے حاصل ہوئے ہیں اور یہ سلسلہ برابر چلا جاتا ہے تو صحابۂ کرام ہی کا فیض دوسرے اولیاء کو بھی پہنچا ہے اس کی توضیح(۱) کے لئے میں ایک محسوس مثال اختیار کرتا ہوں۔ ریل کو چلتے ہوئے سب ہی دیکھتے ہیں اب میں اس کے متعلق دریافت کرتا ہوں کہ ریل میں جس قدر گاڑیاں لگی ہوتی ہیں ان کے چلنے کی تدبیر کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ تدبیر اس کی سوائے اس کے کچھ نہیں کہ انجن میں آگ اور پانی سے اسٹیم تیار کی جائے اور گاڑیوں کو اس کے ساتھ وابستہ کردیا جائے جب انجن کو حرکت ہوگی گاڑیاں خود بہ خود متحرک ہوں گی اس مثال میں متحرک بالذات(۲) صرف انجن ہے گاڑیاں محض وابستگی کی(۳) وجہ سے کھینچی چلی جارہی ہے نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ انجن ہر ہر گاڑی کے ساتھ نہیں بلکہ انجن کے ساتھ صرف ایک گاڑی بلاواسطہ وابستہ اور دوسری گاڑیاں بوسائط اس سے وابستہ ہیں تو جب انجن کے ساتھ محض ظاہری وابستگی کی وجہ سے ساری گاڑیاں متحرک ہوگئی ہیں تو کیا حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متوسلین اور وابستگان میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے فیوض نہ آئیں گے اور ان میں حرکت پیدا نہ ہوگی ضرور ہوگی۔

اہل اللہ سے وابستگی کا فائدہ

اور اسی تقریر سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اگر کسی کو خدا ورسول ﷺ تک پہنچنا مقصود ہو تو اُس کو چاہیئے کہ اپنی زنجیر ان انجنوں سے ملادے جب اُن کو حرکت

(۱) اسکی وضاحت کے لئے (۲) اپنی ذات میں حرکت کرنے والا صرف انجن ہے (۳) باقی ڈبے اس کے ساتھ جڑے ہوئے ہونے کی وجہ سے حرکت کرتے ہیں۔

ہوگی یہ بھی متحرک ہوگا اور پہنچ جائیگا۔ خوب کہا ہے۔

بود مورے ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد دست بر پای کبوتر زدو ناگاہ رسید

''ایک چیونتی کو شوق ہوا کہ کعبۃ اللہ میں پہنچے اُس نے کبوتر کے پاؤں پر ہاتھ رکھدیا اور بہت جلد کعبۃ اللہ پہنچ گئی''

یعنی ایک چیونٹی کو اشتیاق ہوا کہ کسی طرح کعبہ پہنچوں لوگوں سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ کعبہ تو بہت دور ہے اور بہت سے وقتوں کے بعد مُدّت میں وہاں پہنچنا ہوتا ہے۔ غریب مشتاق چیونٹی نے جب ان موانع (۱) کو سنا اور اپنے کمزور جثہ (۲) کو دیکھا نیز دھوپ کی تیزی ہوا کی سختی زمین کی تپش کی طرف نظر کی تو بہت مایوس ہوئی اسی حالت میں ناگاہ ایک راہبر پر اُس کی نظر پڑی جس کے چہرے سے گویا آثار رہبری مترشح تھے جس کی صورت دیکھ کر پژمردہ دل کو تسلی ہوگئی جس کی یہ حالت تھی کہ ؎

اے لقاءِ تو جواب ہر سوال مشکل از تو حل شود بے قیل وقال

''اے وہ ذات کہ تیری ملاقات ہی سے سب سوالوں کا جواب خود بخود حاصل ہوگیا مشکل سے مشکل باتیں تجھ سے پوچھے بغیر ہی حل ہوگئیں ہیں''

اُس راہبر نے کہا کہ اطمینان رکھو میں تمہیں ایک سہل طریقہ منزل مقصود پر پہنچنے کا بتاتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ خودرائی اور تکبر کو آگ لگادینی پڑے گی ورنہ اگر اس کو نہ چھوڑا تو پھر کوئی طریقہ نہیں۔ مشتاق چیونتی نے تکبر کے چھوڑ دینے کا وعدہ کیا آخر تھوڑی دیر میں حرم شریف کا ایک کبوتر نظر پڑا راہبر نے اُسے دیکھ کر پہچانا اور چیونٹی سے کہا کہ مبارک ہو اب مقصود حاصل ہونے کا وقت قریب آیا دیکھو یہ کبوتر حرم شریف کا ہے اگر اس کی قدم بوسی ناگوار نہیں اور اس کو ذلت نہیں سمجھتی ہو تو

(۱) رکاوٹوں کو سنا (۲) کمزور جسم۔

بے تامل اس کے پیروں سے لپٹ جاؤ اس کو تو خبر بھی نہ ہوگی اور تم اس کی ایک پرواز میں کعبہ میں ہوگی چنانچہ چیونٹی نے ایسا ہی کیا اور پہنچ گئی ؎

دست بر پای کبوتر زد و ناگار سید(۱)۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ وابستگی کے ساتھ استنکاف(۲) کا نہ ہونا بھی ضروری ہے ورنہ اگر استنکاف باقی رہے گا تو مقصود سے ادھر ہی(۳) رہ جاؤ گے۔ صاحبو! یہ مضمون اگرچہ مختصر ہے لیکن نہایت توجہ سے سننے کے قابل ہے۔

اہل اللہ سے عدم وابستگی کی وجہ

ہمارے مسلمان بھائیوں میں اس وقت ایک بڑی کوتاہی یہ ہو رہی ہے کہ ان کو متحرکین سے استنکاف اور استکبار ہے(۴) ایسے لوگوں کو نظر حقارت سے دیکھا جاتا ہے اور وجہ صرف یہ کہ ان کی آمدنی بہت کم ہے سامانِ آسائش ان کے پاس نہیں بہت سے خدم حشم نہیں(۵) رکھتے۔ لباس بہت قیمتی نہیں پہنتے۔ جب اپنے لباس سے اُن کے لباس کا موازنہ کرتے ہیں تو زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے کیونکہ اہل دُنیا کا لباسِ تن(۶) دوسو ڈھائی سو کا ہے اور وہاں ؎

لنگ کے زیر و لنگ کے بالا نے غمِ دُزد نے غمِ کالا(۷)

نشست کی جگہ دیکھتے ہیں تو اپنے ہاں سینکڑوں روپے کے قیمتی فرش پاتے ہیں وہاں چار پیسے کی ایک چٹائی وہ بھی خستہ(۸) شکستہ میلی کچیلی۔ اس لئے سمجھتے ہیں کہ جب ہمارے پاس سامان زیادہ ہے تو ہم بڑے ہیں۔

---

(۱) کبوتر کے پاؤں پکڑے اور کعبہ پہنچ گئی (۲) از روئے تکبر انکار کا نہ ہونا بھی ضروری ہے (۳) اگر انکار ہوگا تو مقصود حاصل نہ ہو (۴) درویشوں اور بوریا نشینوں کی صحبت سے انکار اور تکبر کی بنا پر پاس آنے سے کتراتے ہیں (۵) بہت سے نوکر چاکر نہیں ہیں (۶) جسم کا لباس (۷) ایک تہبند ہے ایک اوپر چادر ہے چوری چکاری کا کوئی خوف ہی نہیں (۸) ٹوٹی پھوٹی۔

تکبر کا نقصان

مگر صاحبو! یاد رکھو کہ اسی بڑے سمجھنے کی بدولت عزازیل (۱) برباد ہوا جس کے برباد اور خراب ہونے سے آج تم خراب ہو رہے ہو اُس نے بھی یہ ہی کیا تھا کہ اپنا ظاہری اعزاز یعنی ناری (۲) ہونا اور حضرت آدم علیہ السلام کی ظاہری حقارت یعنی خاکی ہونا دیکھ کر اپنے کو بڑا اور اُن کو چھوٹا سمجھا اور ارشادِ خداوندی سے معترضانہ انکار کر دیا۔ ﴿ اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ (۳) آج بھی یہ مرض عام ہو رہا ہے۔

ظاہری حالت پر مدار نہ رکھو

صاحبو! میں براہ شفقت کہتا ہوں کہ یہ سامان ظاہری تمہارے لئے رہزن ہو رہا ہے ظاہری حالت پر مدار نہ رکھو حقیقت بیں بنو۔ یاد رکھو کہ ؎

گر بصورت آدمی انساں بُدے احمدؐ وبوجہل ہم یکساں بُدے
اینکہ می بینی خلاف آدم اند نیستند آدم غلافِ آدم اند

''اگر ہر آدمی کی صورت والا انسان ہوا کرتا تو حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ اور ابوجہل دونوں یکساں ہوتے کیونکہ دونوں قریش تھے اور مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے ہرگز ایسا نہیں ہے۔ یہ جو کچھ تو دیکھ رہا ہے آدمی کے خلاف ہیں بلکہ یوں سمجھ کہ آدمی نہیں ہیں آدمی کے اُوپر کا غلاف ہیں''

لہذا صورت کو یا لباس کو چھوڑ دینا چاہیئے اور اس کو معیار نہ بنانا چاہیئے۔ بعض لوگ اپنے دنیاوی سامان کو معیار بناتے ہیں اور چونکہ اہل اللہ کو اُن سے علیحدہ پاتے ہیں اس لئے اُن کو حقیر سمجھتے ہیں خوب سمجھ لو کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ؎

نباشد اہلِ باطن درپئے آرایش ظاہر بہ نقاش احتیاجے نیست دیوارِ گلستانرا

(۱) شیطان (۲) اپنی اصل آگ اور آدم کی اصل مٹی ہونے پر نظر کی اور ان کی حقیر سمجھا (۳) انکار کیا اور تکبر کیا علم الٰہی میں پہلے سے ہی وہ کافر تھا۔

’’جو اہل دل ہوتے ہیں وہ اپنے ظاہر کے سنوارنے کی فکر میں نہیں رہتے۔ باغ کی چہار دیواری کو نقش ونگار بنانے والے کی ضرورت نہیں‘‘

ان حضرات کو ادھر توجہ بھی نہیں ہوتی۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر شریعت کا حکم نہ ہوتا تو یہ حضرات پاجامہ بھی نہ پہنتے ان کے لئے اتنا تعلق بھی بار ہے ان کے مذاق کی وہ حالت ہے جیسا کہ ذوق کہتا ہے ؎

عریان ہی دفن کرنا تھا زیرِ زمین مجھے اک دوستون نے اور لگادی کفن کی شاخ

اہل اللہ کی نظر میں اسباب دنیا کی حقیقت

اور زینت اور لباس تو کیا چیز ہے ان حضرات کی نظروں میں سلطنت کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہوتی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اہلِ سلطنت کی اطاعت بھی یہ لوگ نہیں کرتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اپنے لئے اس کی تمنا نہیں ہوتی۔ ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ وہ صرف ایک تہبند باندھے رہتے تھے اور کوئی کپڑا نہ پہنتے تھے اُن کے بھائی بادشاہ وقت تھے ایک روز انہوں نے ان بزرگ سے کہا کہ اگر آپ پاجامہ پہن لیتے تو اچھا تھا آپ کے اس حال میں رہنے سے میری بھی سبکی ہے(۱) انہوں نے کہا کہ اگر میں پاجامہ پہنوں گا تو اُس کے لئے کرتہ بھی ہونا چاہیئے بادشاہ نے کہا کرتہ بھی حاضر ہے وہ بولے تو پھر ٹوپی جوتہ بھی ہو بادشاہ نے کہا وہ بھی کیا مشکل ہے انہوں نے کہا تو پھر سواری کے لئے گھوڑا بھی ہو اور پھر کہا کہ سائیس بھی ہو اور اصطبل بھی ہو اور ان سب مصارف کے لئے گاؤں بھی ہو پھر اس شان کے موافق فلاں فلاں سامان بھی پھر اس کے لئے ایک گاؤں کافی نہ ہوگا بہت سے دیہات ہوں حتی کہ پھر سلطنت بھی ہو۔ بادشاہ ساری باتوں کو منظور کرتا گیا تو آپ فرماتے ہیں کہ یہ سارا جھگڑا ایک پاجامہ پہننے کی بدولت

(۱) مجھے بھی شرمندگی ہوتی ہے۔

اکٹھا ہوا مجھے پاجامہ ہی پہننے کی کیا ضرورت کہ ان مصیبتوں میں پھنسوں۔ غرض ان حضرات کے نزدیک اس تمام ساز وسامان کی کچھ بھی وقعت نہیں ہے۔

حکومت دنیا کی حقیقت

ایک اور بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ انہوں نے ایک بادشاہ سے پوچھا کہ اگر تم کسی وقت شکار میں جاؤ اور اپنے ساتھیوں سے جدا ہو جاؤ اور پیاس کی شدت سے تمہارا بُرا حال ہو جائے اُس وقت ایک شخص تمہارے پاس ایک پیالہ پانی لے کر آئے اور کہے کہ اگر مجھ کو نصف سلطنت بخشد و تو میں تم کو یہ پیالہ پانی کا دوں تو اُس وقت تم کیا کروگے بادشاہ نے کہا کہ میں نصف سلطنت دے کر پیالہ خرید لوں گا اُس کے بعد ان بزرگ نے کہا گر اتفاق سے تم کو بند پڑ جائے اور کسی طرح پیشاب نہ اترتا ہو تمام اطباء عاجز ہو جائیں اور اس وقت ایک شخص اس شرط پر پیشاب کرا دینے کا وعدہ کرے کہ باقی نصف سلطنت اُس کو دیدو، تو تم کیا کروگے، بادشاہ نے کہا کہ میں بقیہ نصف سلطنت بھی دیدوں گا۔ فرمایا کہ اب تو تم کو اپنی سلطنت کی حقیقت اور اس کی قیمت معلوم ہوگئی ہوگی کہ صرف ایک پیالہ پانی اور ایک پیالہ پیشاب اُس کی قیمت ہے۔

آج کل کی ترقی کی مثال

صاحبو! آج کل جو کچھ ترقی کی پکار ہو رہی ہے اور دلوں میں ترقی کی محبت ہے صرف اسی وجہ سے کہ آپ لوگوں نے ایک ہی چیز کو دیکھا اور پہچانا ہے اگر دوسری طرف بھی کچھ نظر ہوتی تو یقیناً آپ بھی وہی کہتے جو ہم کہتے ہیں کہ ؎

آنکس کہ ترا شناخت جانرا چہ کند فرزند وعیال وخانماں راچہ کند

''جس شخص نے تجھ کو جان لیا وہ اپنی جان کو کیا کرے گا اور بیوی بچوں اور خانداں والوں کے خیال میں کس طرح رہے گا''

اہل دنیا اور اُن کے شغفات(۱) کی مثال بالکل ایسی ہے کہ جیسے آپ نے بچوں کو دیکھا ہوگا کہ بہت سی بالُو جمع کر کے پیروں پر اُس کو جماتے ہیں اور گھروندہ(۲) تیار کرتے ہیں اور جب اُن کے بزرگ اس لغو حرکت (۳) سے روکتے ہیں تو لڑکے اپنے دل میں بہت خفا ہوتے ہیں اور اپنے بزرگوں بڑوں کو اپنا دشمن مخالف سمجھتے ہیں اور اپنے کھیل پر اصرار کرتے ہیں عقلاء اُن کی اس حرکت کو دیکھتے ہیں اور ہنستے ہیں تو بچوں کی خفگی اور اپنے کھیل پر اصرار کرنے کی وجہ یہی ہے کہ اُن کی نظر ابھی تک اسی گھروندے کی چند وہمی خوبیوں پر ہے ابھی تک عالی شان قصر (۴) اور پختہ محل ان کی نظروں میں نہیں آئے اور ان کی حقیقت کو نہیں سمجھا اور اسی وجہ سے اپنے گھروندے کا ہیچ ہونا ہنوز (۵) ان کی سمجھ میں نہیں آیا۔ جس دن اپنے گھروندے کی حقیقت ذہن میں آجائے گی اُس دن وہ بھی اپنے بزرگوں کے ہم آہنگ (۶) ہونگے۔ اسی طرح عقلاء اُمت آپ کو ان عالیشان کوٹھیوں اور محلات میں پھنسا ہوا دیکھ کر دارِ آخرت (۷) کی ترغیب دیتے ہیں اور اس شغف پر ہنستے ہیں لیکن آپ اپنی حقیقت ناشناسی کی وجہ سے اُن پر خفا ہوتے اور اُن سے استنکاف (۸) کرتے ہیں ورنہ اگر آپ کو حقیقت کا علم ہوتا تو اپنی اس حالت پر افسوس کرتے اور یوں کہنے لگتے کہ ؎

دلاتا کے درین کاخِ مجازی کنی مانندِ طفلاں خاک بازی
توئی آن دست پر ور مرغِ گستاخ کہ بودت آشیاں بیروں ازین کاخ
چرا از آشیاں بے گانہ گشتی چو دوناں چغدِ ایں ویرانہ گشتی

''اے دل تو کب تک بچوں کی طرح اس مجازی گھر کے کھیل میں لگا

(۱) دنیاداروں کی حرص کی مثال (۲) بہت سے تنکے جمع کر کے پیروں پر لگا کر چھوٹا سا گھر بناتے ہیں (۳) بے ہودہ حرکت (۴) عالیشان محل (۵) مٹی کے گھروں کا حقیر ہونا ان کی سمجھ میں نہیں آیا (۶) ہم خیال (۷) آخرت کے گھر کی دعوت دیتے ہیں (۸) ان سے رکتے ہیں۔

رہے گا جو مٹی کے محلوں سے علیحدہ تیرا گھر ہے تو اپنے اصلی گھر سے کیوں غافل اور بے پرواہ ہوگیا ہے اور کمینہ ذلیل جانور اُلّو کی طرح ویرانی جگہوں میں پھر رہا ہے''

اہل اللہ کی بے نیازی

میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ بے گھرے ہوجاؤ اور جو کچھ ہے برباد کردو بلکہ مطلب یہ ہے کہ محبت چھوڑ دو اور دل سے بے تعلق ہوجاؤ شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ چونکہ ان لوگوں کے پاس کوئی چیز ہی نہیں اس لئے ان کو محبت اور تعلق بھی نہیں۔ عصمت بی بی از بے چادری(۱) کی حالت ہے تو میں کہوں گا جس کا جی چاہے جائداد پیش کرکے بھی دیکھ لے(۲)۔ صاحبو! جائیداد تو کیا چیز ہے سلطنت تک کولات ماردی ہے۔ سنجر شاہ نیمروز نے حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ کے پاس التجاء بھیجی کہ آپ کی خدمت میں کچھ حصہ سلطنت کا پیش کرنا چاہتا ہوں قبول فرمائیے آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ ؎

چوں چتر سنجری رُخ بختم سیاہ باد دردل اگر بود ہوسِ ملک سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبر از ملکِ نیم شب من ملکِ نیمروز بیک جونمی خرم

''جیسے کہ ملک نیم روز کے بادشاہ سنجر کا تاج سیاہ ہے اسی طرح میرا نصیبہ بھی سیاہ ہوجائے اگر خدانخواستہ میرے دل میں اس بادشاہ کے ملک کی خواہش پیدا

(۱) ان کی مثال اس عورت کی سی ہے جس کے پاس ایک چادر بھی نہیں ہے۔ اس لئے اس کو مال سے محبت نہیں ہے کیونکہ مال ہوگا تو محبت ہوگی (۲) والد گرامی حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہ نے احقر کو بتایا کہ آخر عمر میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمت میں ایک شخص نے ایک لاکھ روپیہ بطور ہدیہ پیش کئے تو حکیم الامت نے یہ کہہ کر واپس کردئے کہ میں اجنبی احباب سے ہدیہ قبول نہیں کرتا اور واقفین سے بھی ان کی ایک دن کی آمدنی سے زائد ہدیہ قبول نہیں کرتا۔ اس زمانے میں ایک لاکھ روپے کی حیثیت حضرت کی نظر میں اتنی تھی کہ ایک مرتبہ مجلس میں فرمایا تھا کہ اگر میرے پاس ایک لاکھ روپیہ ہو تو پورے قصبہ تھانہ بھون کو خرید کر اللہ کے لئے وقف کردوں لیکن اس کے باوجود حضرت نے اپنے اصول کو نہیں توڑا اور یہ ہدیہ واپس کردیا۔ خلیل احمد تھانوی۔

ہوجائے، جب سے مجھے آدھی رات کی لذت حاصل ہوگئی اور اس ملک کی خبر لگی ہے میں تو اس بادشاہ کے ملک نیم روز کو ایک جو کے پلہ میں بھی خریدنے کو تیار نہیں ہوں''

یعنی اگر تمہارے پاس ملک نیمروز ہے تو میرے پاس ملک نیم شب موجود ہے اس میں یہ لطیفہ بھی ہے کہ بادشاہ کے ملک کا نام ملک نیمروز تھا۔

خدا کی پسندیدہ حالت

ایک اور عارف کہتے ہیں ؎

بفراغِ دل زمانے نظرے بماہ رُوئے بہ ازاں کہ چترِ شاہی ہمہ روز ہاؤ ہوئے

''دل کے سکون واطمینان کے ساتھ اس چاند جیسے چہرہ والے کی طرف تھوڑی دیر کے لئے دیکھتے رہنا ہی بادشاہ کے تاج اور تمام شان وشوکت سے بہتر ہے''

تو ان حضرات کی ظاہری شکستگی کی وجہ یہ ہے کہ ان کو اس سامان کی مطلق قدر نہیں ہے نیز یہ بھی وجہ ہے کہ خود آقائے کریم ﷺ کو بھی یہی حالت پسند ہے چنانچہ حدیث قدسی ہے کہ اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ یعنی میں اُن سے قریب ہوں جن کے دل ٹوٹے ہوئے ہیں مولانا رومی ارشاد فرماتے ہیں ؎

فہم وخاطر تیز کردن نیست راہ جُز شکستہ می نیگرد فضلِ شاہ

''اپنے دل ودماغ سے زیادہ کام لینا یہ راستہ کا پالینا نہیں ہے عاجزی اور ٹوٹے ہوئے دل کے سوا فضل الٰہی حاصل نہیں ہوتا''

کیوں؟ اس لئے کہ ؎

ہر کجا پستی ست آب آں جا رود ہر کجا مشکل جواب آں جا رود

''جس جگہ پستی (نیچا حصہ) ہے پانی اسی طرف کو بہتا ہے جہاں انسان

کی سمجھ سے زیادہ مشکل سوال پیدا ہوتا جواب اسی کو سمجھا جاتا ہے''

ہر کجا دردے دوا آں جارود ہر کجا رنجے شفا آں جارود

''جہاں تکلیف اور بیماری ہوئی دوا وہیں کی جائیگی اور جہاں زخم لگا ہو شفا اسی طرف متوجہ ہوگی''

تو چونکہ یہ شکستگی ہی خدا تعالیٰ کو پسندیدہ ہے اس لئے ان حضرات کو بھی یہی پسند ہے صاحبو! کیا سنا نہیں پیا جس کو چاہیں وہی سہاگن ہو دیکھئے اگر کسی بازاری عورت سے عشق ہو جائے اور وہ حکم کرے کہ سرِ بازار لنگوٹا باندھ کر پھرو تو یقیناً عشق و محبت ایسا ہی کرنے پر مجبور کرے گی اور اگر ایسا نہ کیا تو عشق کامل نہ سمجھا جائے گا اللہ اکبر جب ایک بازاری عورت کی محبت میں یہ حالت ہو جاتی ہے تو عشق خدا میں کیا کچھ حالت ہونی چاہیئے اور بڑا مقامِ غیرت ہے اُن لوگوں کے لئے جن کو اس کی حِس نہ ہو خوب کہا ہے ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلےٰ بود گوئی گشتن بہرِ او اولےٰ بود

''کیا حق تعالیٰ کا عشق لیلیٰ سے کم ہے نہیں۔ بلکہ اس کے لئے گلی گلی اور کونہ کونہ پھرنا تو اور ہی بہتر ہے''

طالب بنو

غرض ان حضرات کی شکستگی کو موجبِ حقارت نہ سمجھو اور استنکاف (۱) کو چھوڑ کر ان کا اتباع کرو۔ اور اپنے میں طلب کی شان پیدا کرو جب یہ پیدا ہو جائے گی استنکاف خود بخود جاتا رہے گا میں اس کی ایک زندہ نظیر دیتا ہوں۔ آپ نے اکثر ایسے رئیس دیکھے ہوں گے جن کو کیمیا کی تلاش ہوتی ہے اور اس تلاش میں جو شخص بھی کیمیا دانی کا مدعی اُن کو ملتا ہے اس کو کیمیا گر سمجھ کر اُس کے پیچھے ہو لیتے

(۱) بڑائی کی وجہ سے ان کے اتباع نہ کرنے کو ترک کردو۔ اور ان کا اتباع کرو۔

ہیں حتی کہ بعض مرتبہ اگر ذرا پختگی سے ان کے کیمیا گر ہونے کا یقین ہوجائے تو اپنا ننگ و نام، مال و جائیداد سب ان کے پیچھے گنوا دیتے ہیں اور اگر کوئی ان کو کچھ کہتا اور ملامت کرتا ہے تو اس کو ہنستے ہیں تو یہ اتباع اور شغف کیوں ہے؟ صرف اس واسطے کہ ان کو کیمیا آنے کا گمان ہے پس جب حصول کیمیا کے موہوم الیہ (۱) پر ظاہری کیمیا جاننے والوں کا اس قدر اتباع کیا جاتا ہے اور اپنی شان و شوکت کو طاق میں رکھ دیا جاتا ہے اور ذرا پرواہ نہیں کی جاتی تو جن لوگوں کو سچ مچ کیمیا آتی ہے کہ اگر لوہے اور پتھر کو کندن کردیں تو کوئی تعجب نہیں اُن کا اتباع کرتے استنکاف کیوں ہوتا ہے۔ یہ ایک جملہ معترضہ تھا۔ مقصود میرا یہ تھا کہ جب انجن میں یہ طاقت ہے کہ اس کے ساتھ وابستہ ہونے سے گاڑیاں منزل پر پہنچ جاتی ہیں تو کیا صحابۂ کرام کے ساتھ وابستگی کا یہ اثر نہ ہوگا۔ بالخصوص جب کہ یہ بھی ثابت ہو کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد دیگر اولیاء اللہ پر بھی کبھی بلاواسطہ نزول و برکات ہوتا ہے کیونکہ یہ سلسلہ نہ منقطع ہوا ہے نہ ہوگا ؎

ہنوز آں ابر رحمت دُرفشان ست خُم وخمخانہ بامہرونشان ست

''ابھی وہ رحمت کا بادل موتی برسا رہا ہے شراب عشق کے مٹکے اور میخانہ پر مہر اور نشان لگی ہوئی ہے''

اب تک وہی جام گردش میں ہے وہی دور چل رہا ہے ہر وقت یہی صدا بلند ہے ؎

حریفاں ہمہ مئے پرستی کنید بجوشید و نوشید و مستی کنید

''اے دوستو تم شراب عشق کی محبت میں لگے رہو خوب جوش میں آؤ خوب پیو اور خوب مست رہو''

(۱) جس کے بارے میں یہ گمان ہوجائے کہ اس کو سونا بنانا آتا ہے۔

علم کا فائدہ

غرض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے وابستگی کی بدولت کہئے یا وابستگی اور ذاتی حرکت دونوں کے سبب کبھی علم اور معرفت اب بھی عطا ہوتا ہے اور وہی ایسی چیز ہے کہ اس کی بدولت ان کی دو رکعت غیر عارف کی ہزار رکعت کے برابر ہے اسی علم نے صحابۂ کرامؓ کو اُس مرتبہ تک پہنچا دیا اور یہی علم و معرفت آج بھی ہزاروں کو اپنی اپنی استعداد کے موافق مراتب علیا پر پہنچا رہا ہے غرض علم ایسی چیز ہے کہ عمل کوئی بھی علم سے مستغنی (۱) نہیں لیکن بعض علوم عمل سے مستغنی ہیں مگر بایں معنی (۲) کہ اُس کی صحت کسی عمل پر موقوف نہیں گو کمال اس کا کسی عمل پر موقوف ہونا بایں (۳) معنی کہ اس علم کا ثمر بھی کوئی عمل نہیں نظر غائر سے جیسا کہ شروع ترجمۂ آیت کے ساتھ عرض کیا گیا ہے اُس کا ثمرہ کوئی عمل بھی ضرور ہے یعنی اُس کی ایک غایت کوئی نہ کوئی عمل ضرور ہے مثلاً قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کا عقیدہ ہے کہ اس میں کسی عمل کی ضرورت بمعنی توقف نہیں ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ عمل کی طرف سے بالکل توجہ ہٹالی جائے بلکہ اُس علم کا کمال ضرور عمل پر موقوف ہے اور غایت بھی اس کی کوئی عمل ضرور ہے مثلاً قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ہی کو لیجئے کہ عقیدۂ توحید کی صحت گو اعمال پر موقوف نہیں لیکن توحید میں نورانیت اعمال صالحہ ہی سے ہوتی ہے اور نیز اس کی غایت میں ایک عمل بھی ہے مثلاً جب خدا کو کمالات اور تصرفات میں منفرد مانا تو غیر اللہ سے ایسا تعلق رغبت و رہبت (۴) کا نہ ہونا چاہیئے جیسا کہ ہے۔

عمل کی اہمیت

میں اپنے اُس مضمون کا مخاطب خصوصیت کے ساتھ طلبہ کو بناتا ہوں کہ

(۱) بے نیاز نہیں (۲) اس معنی کے اعتبار سے (۳) نہ کہ اس معنی کے اعتبار سے (۴) شوق و خوف۔

ان میں اکثر کو اپنے علوم پر ناز ہوتا ہے خصوصاً حصۂ عقائد میں کہ میں خود اپنے کو دیکھتا ہوں کہ عقائد درست کرنے کی فکر تو ہے مگر عمل کی طرف توجہ نہیں ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ عقیدہ بوجہ اصل ہونے کے کافی سمجھتے ہیں اور حالاً یہ دل میں جما رکھا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ہاں عقیدے کی پوچھ ہوگی اس کے بعد اور کوئی باز پرس نہ ہوگی لہذا جو چاہو کرو۔ صاحبو! خدا کے لئے سنبھلو اور اپنی خبر لو مجھ سے قنوج میں ایک تاجر عطر نے جو اہلِ حدیث تھے یہ کہا کہ ہم لوگوں کا جو کچھ تقویٰ ہے وہ چند مسئلوں میں ہے جن میں حنفیوں سے اختلاف ہے ورنہ ہمارے اعمال کی یہ حالت ہے کہ میں عطر کی تجارت کرتا ہوں اور اس میں تیل ملا کر فروخت کرتا ہوں بیچارے سچے آدمی تھے صاف کہدیا کہ اس امر میں کبھی مجھے عمل بالحدیث کا خیال پیدا نہ ہوا اور ہمیشہ خلط کر کے فروخت کرتا رہا۔ ہم لوگ حنفی ہیں خدا کا شکر ہے مگر یہ افسوس ہے کہ ہم نے بھی اسی درستی عقائد پر قناعت کر لی ہے اور عمل کی ذرا فکر نہیں ہے سراپا دنیا میں منہمک ہیں اور محض علوم کو اور اعتقادات کو کافی سمجھتے ہیں بلکہ جو لوگ اپنے کہلاتے ہیں اور دخول سلسلہ رکھتے ہیں ان میں بھی تقویٰ کا اہتمام نہیں۔ خالی محبت وصحت عقیدہ پر کفایت کئے ہوئے ہیں۔

علم وعمل کا باہمی تعلق

تو اس مرض کو دیکھ کر خدا تعالیٰ نے مجھے ایک بات سجائی ہے بظاہر بالکل نئی جس کو اجمالا ابھی ذکر کیا ہے اور تفصیل اُس کی یہ ہے کہ ہر چند بعض علوم کو عمل سے تعلق یعنی توقف نہیں ہے مگر قرآن شریف وحدیث کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ان علوم کی غایت علاوہ نفسِ نجات کے کوئی عمل بھی ہے یعنی ایک غایت تو ان علوم کی یہ ہے کہ ان پر نفسِ نجات من العذاب (۱) مرتب ہوجائیگی اگرچہ وہ چند روز کی

(۱) عذاب سے نجات۔

تکالیف اُٹھانے کے بعد ہو۔ نیز اس غایت کے سوا اور بھی ایک غایت ہے جو کہ بدون عمل کے حاصل نہیں ہوسکتی مثلاً علم تقدیر کی جہاں یہ غرض ہے کہ اس کے ماننے سے نجات ہوگی وہیں یہ غرض بھی ہے جس کو اس آیت میں اشارہ فرماتے ہیں: ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ﴾ الآیۃ۔ ''یعنی جو کچھ آفاقی یا انفسی مصیبت تم کو پہنچتی وہ پہلے سے کتاب میں یعنی لوحِ محفوظ میں موجود ہے اور ہم نے کتاب مبین میں پہلے سے اس لئے لکھا اور تم کو یہ تعلیم اس لئے دی کہ تم مافات پر مغموم اور پریشان نہ ہو'' الخ۔ اس آیت میں تصریح کردی کہ ایک بڑی مصلحت مسئلہ تقدیر کی اطلاع میں یہ بھی ہے۔ کیونکہ طبعی بات ہے کہ نقصان ہونے پر انسان کو رنج وصدمہ ہوا کرتا ہے۔

مسئلہ تقدیر کی حکمت

خدا تعالیٰ کی عنایت کو ملاحظہ فرمائیے کہ باوجود غنی اور بے پرواہ ہونے کے ہماری مصلحت پر نظر فرما کر ہم کو ایسی بات بتلادی جو کہ نہایت درجہ ہمارے لئے سرمایۂ تسلی ہے اگر تمام جہان کے عقلاء متفق الرائے ہوکر اس کی تدبیر کرتے تو ایسی بات ہاتھ نہ آتی جو خدا تعالیٰ نے بتلادی یعنی ہم کو مسئلہ تقدیر سکھلا دیا۔

صاحبو! یہی مسئلہ ہے جس کی بدولت ہم بڑے سے بڑے فکر اور مصیبت میں پڑ کر بھی اپنے دل کو تسکین دیدیتے ہیں اور غم کو دھو لیتے ہیں اگر ہم کو اس مسئلے کی تعلیم نہ کی جاتی تو کوئی سبیل (۱) ہمارے پاس نہ تھی کہ ہم اپنے رنج کو دھوسکیں۔ اس کی حقیقت ایک مثال میں سمجھئے فرض کیجئے کہ دو شخص ایسے ہیں جن کی حالت ہر پہلو سے بالکل یکساں ہے جو کچھ ساز و سامان روپیہ پیسہ ایک کے پاس ہو وہی

(۱) کوئی طریقہ ہمارے پاس نہیں تھا۔

دوسرے کے پاس بھی ہے۔ جو سامانِ آسائش ایک کو میسر ہے دوسرے کو بھی ہے ایک ہی خاندان کے ایک ہی مزاج اور طبیعت کے ہیں اور دونوں کو خدا تعالیٰ نے ایک ایک لڑکا بھی عنایت فرمایا ہے اور دونوں نے اپنے اپنے لڑکے کی تعلیم و تربیت میں یکساں کوشش کی ہے اور دونوں لڑکے نہایت اعلیٰ درجہ کی تعلیم حاصل کر کے فارغ ہوئے ہوں اور عین ایسے وقت میں کہ جب سارے گھرانے کی امیدیں ان کے ساتھ وابستہ ہونے لگی ہوں اور ان کے پھلنے پھولنے کے دن آئے ہوں ان دونوں کا انتقال ہوجائے اور اتفاق سے ایک ہی مرض میں اور ایک ہی طبیب کی سوء تدبیر سے مرض بگڑ کر انتقال ہوا ہو اس وقت ان کے والدین کے غم اور رنج کا جو عالم ہوگا ظاہر ہے اور رنج بھی دونوں کا قریب قریب برابر ہوگا کیونکہ دونوں کی یکساں حالت فرض کی گئی ہے لیکن باوجود اس اتحادِ حالات کے ایک یہی فرق دونوں میں تھا کہ ایک ان میں منکرِ تقدیر تھا اور دوسرا قائلِ تقدیر اس لئے ضرور ہے کہ ان دونوں کے رنج میں باوجود اسباب رنج برابر ہونے کے فرق ہوگا یعنی اُس شخص کا غم جو قائلِ تقدیر ہے بہت تھوڑی دیر باقی رہے گا کیونکہ فوراً ہی اُس کو یہ مضمون یاد آئے گا کہ ﴿ قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّامَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ کہ جو مصیبت آتی ہے وہ خدا کے حکم سے آتی ہے اور چونکہ خدا تعالیٰ حکیم مطلق ہیں اور فعلُ الحکیم لا یخلوعن الحکمۃ "حکیم کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا" قضیہ مسلّمہ ہے (۱) اس لئے یہ مصیبت بھی کسی مصلحت کو لیے ہوئے ضرور ہے اور اگر حضرت خضرؑ کا قصہ قتلِ صبی (۲) کا یاد آ گیا جس کو قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے اور جس کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ؎

آں پسر را کش خضرؑ ببرید حلق　　سِرآں را درنیابد عام خلق

"اس لڑکے کو حضرت خضرؑ نے مار ڈالا اور حلق کو کاٹ دیا مگر اس کا بھید

(۱) ایک مسلمہ اصول ہے (۲) بچے کو مارنے کا قصہ۔

عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ سکتا''

نیز خدا تعالیٰ کی رحمت واسعہ پر نظر گئی ان سب باتوں سے سمجھ گیا کہ کوئی مصلحت ضرور ہوگی۔

تعزیت کا خوبصورت انداز

جن میں ایک مصلحت وہ بھی ہے جس کو ایک اعرابی نے سمجھا۔ صاحبو! یہ مضمون سننے اور غور کرنے کے قابل ہے جب حضرت عباسؓ کا انتقال ہوا تو عبداللہ بن عباسؓ کے پاس ایک اعرابی تعزیت کے واسطے آیا اور یہ دو شعر تعزیت میں پڑھے۔

اِصْبِرْ نَکُنْ بِكَ صَابِرِیْنَ فَاِنَّمَا صَبْرُ الرَّعِیَّةِ بَعْدَ صَبْرُ الرَّاسِ

''اے ابن عباس تم صبر کرو ہم بھی تمہارے ساتھ صبر کریں گے کیونکہ سردار کے صبر کے بعد ہی رعایا بھی صبر کرسکتی ہے''

یعنی آپ بڑے ہیں صبر کیجئے کہ ہم چھوٹے بھی صبر کریں آگے کہتا ہے ؎

خَیْرٌ مِّنَ الْعَبَّاسِ اَجْرَكَ بَعْدَهٗ وَاللّٰهُ خَیْرٌ مِّنْكَ لِلْعَبَّاسِ

''حضرت عباسؓ کی وفات پر صبر کی وجہ سے جو تجھے ثواب ملے گا وہ تیرے لئے حضرت عباسؓ سے بہتر ہے اور حضرت عباسؓ چونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ چکے تو حضرت عباسؓ کو تجھ سے بہتر یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات مل گئی ہے''

یعنی حضرت عباس کے انتقال سے تم کو ایسی چیز مل گئی جو تمہارے لئے حضرت عباس کی ذات سے زیادہ نفع رساں ہے یعنی ثواب کیونکہ حضرت عباسؓ کی ذات ان کے لئے اتنی کارآمد نہ تھی جتنا کہ ثوابِ آخرت کارآمد ہے اور حضرت عباسؓ کو تم سے اچھی ایک چیز مل گئی یعنی خدا تعالیٰ کا قرب لہذا نہ تم خسارہ میں ہو نہ

وہ۔ تو اگر کوئی اور حکمت سمجھ میں نہ آئے تو یہی حکمت تسلی کے لئے کافی ہے یہ تو قائلِ تقدیر کی حالت تھی۔

منکر تقدیر کا حال

اب منکرِ تقدیر کو لیجئے کہ اُس کے پاس تسلی اور تسکین کا کوئی ذریعہ ہی نہیں ہے وہ عمر بھر اسی رنج میں رہے گا کہ افسوس میں نے فلاں تدبیر کیوں نہیں کی اور فلاں طبیب سے کیوں رجوع نہ کیا کبھی اپنی خطا تجویز کرے گا کبھی معالج کی بے پروائی سمجھے گا اور اس کو برا بھلا کہنا شروع کرے گا لیکن وہ ہزار شکایت کرے بلکہ معالج کو سزا بھی کرادے لیکن اس کے دل کی حسرت کسی طرح کم نہ ہوگی کیونکہ اُس کو ہمیشہ یہ خیال رہے گا کہ اگر میں فلاں تدبیر کرتا تو ضرور کامیاب ہوتا تو اُس کا غم اُس کی عمر کے برابر ہے کہ جب تک زندہ رہے گا غم و رنج ہی میں رہے گا اور قائلِ تقدیر کے غم کی عمر زیادہ سے زیادہ ہفتہ دو ہفتہ۔ اس مثال سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ ہر علم کی ایک نہ ایک غایت ضرور رکھی ہوئی ہے اگر اہل علم غور کریں گے تو قرآن شریف و حدیث میں بکثرت ان غایات کو پائیں گے۔ غضب کی بات ہے کہ ان غایات کا اتنا بڑا ذخیرہ بالکل نظر انداز کر دیا جائے صاحبو! قطع نظر اس سے کہ یہ علم کا ذی غایتِ عملیہ ہونا فی نفسہٖ ایک علم ہے اور اسی لئے قابل تحصیل ہے اس میں ایک بڑا نفع یہ ہے کہ اگر ان غایات پر نظر ہو تو بہت سے شبہات اور شکوک کا خاتمہ ہو جاتا ہے مثلاً مسئلہ تقدیر کی غایت معلوم ہونے سے یہ نفع ہوگا کہ اس مسئلے پر جو بہت سے شبہات ہوتے ہیں وہ جاتے رہیں گے کیونکہ جو شخص غایت کو سمجھ کر کام میں لگے گا اس کو شبہ واقع ہونے کی نوبت ہی نہ آئے گی۔

نزول باری پر شبہ کا جواب

اسی طرح مثلاً نزولِ باری کے متعلق شبہہ کیا جاتا ہے کہ نقل وحرکت اجسام کا خاصہ ہے لہذا کیونکر ہوسکتا ہے کہ خدا کے لئے خواصِ اجسام ثابت کیئے جائیں۔ صاحبو! مجھے اسی کی شکایت ہے کہ اس شبہہ کی نوبت ہی کیوں آتی ہے اصل وجہ اس نوبت آنے کی یہ ہے کہ ہم کو اس اطلاع دہی کی غایت کا علم نہیں اور جس دن اُس غایت کی خبر ہوجائے گی اعتراضات پیدا ہی نہ ہوں گے اس کی مثال یوں سمجھئے کہ اگر کوئی شخص قصبہ کے تحصیلدار کو یہ اطلاع کرے کہ صاحب کلکٹر یہاں سے چھ میل کے فاصلہ پر ڈیرہ ڈالے پڑے ہیں اور تحصیلدار اس خبر کو سنکر اُس خبر رساں پر اعتراضات کرنے لگے کہ تم کو کیونکر معلوم ہوا کہ یہ مسافت چھ میل کی ہے اور تم نے کیسے پہچانا کہ وہ کلکٹر ہے وغیرہ وغیرہ تو سمجھا جائیگا کہ تحصیلدار اپنی تحصیل کے کام کو ضروری نہیں سمجھتا نیز اُس کو معلوم نہیں کہ کلکٹر کس غرض سے دورہ کررہا ہے کیونکہ اگر یہ کام کو ضروری سمجھتا اور اس دَورہ کی غرض معلوم ہوتی تو ہرگز اس کو ایسے اعتراض نہ سوجھتے بلکہ اپنے کام کی فکر ہوتی اور سب سے پہلے اپنے کام کی درستی کی فکر کرتا اُس سے فراغت ہوتی اس کے بعد البتہ اس قسم کے سوالات کی گنجائش تھی پس خدا تعالیٰ کے نزول کی اطلاع سے بھی مقصود ہم کو یہ جتلانا ہے کہ وہ تمہاری طرف متوجہ ہوتے ہیں تم ان کی طرف متوجہ ہو اور اس نے تم کو یہ شرف بخشا ہے کہ ؎

امروز شاہِ شاہاں مہماں شدست مارا جبرئیلؑ با ملائک درباں شدست مارا

''آج بادشاہوں کے بادشاہ ہمارے مہمان ہوئے ہیں آج جبرئیل علیہ السلام بہت سے فرشتوں کو لے کر ہمارے گھر کا پہرہ دے رہے ہیں''

یہ بات تھی جس کو حضور ﷺ نے یاد دلایا تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ

حاکمِ حقیقی کے قرب کی خبر سنکر جو کچھ کرنا ہے وہ کرلو مگر افسوس کہ ہم نے کرنے کا کام تو نہ کیا۔ ہاں ترمذی شریف کی حدیث میں شکوک پیدا کردیئے مجھے خوب یاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ حدیث شریف پڑھا رہے تھے ایک طالب علم نے اس حدیث میں کہ نماز میں حدیث النفس نہ کرنے سے گذشتہ گناہ معاف ہوتے ہیں اعتراض کیا کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ حدیث نفس بھی نہ ہو مولانا نے اس پر فرمایا کہ بھائی کبھی اس کا ارادہ تم نے کیا ہے؟ اگر کبھی ارادہ کیا ہوتا اور پھر حاصل نہ ہوسکا ہوتا تو یہ سوال زیبا تھا اور جب ارادہ ہی نہیں کیا تو کس منہ سے عسیر الحصول (۱) کہا جاتا ہے۔ خوب کہا ہے ؎

سودا قمارِ عشق میں شیریں سے کوہکن بازی اگرچہ پانہ سکا سر تو کھوسکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہوسکا

فرہاد اپنے عشق میں کامیاب نہیں ہوسکا لیکن آج دفتر عشاق میں سب سے اول اس کا نام ہے اس لئے کہ اُس نے اپنی وسعت بھر کوشش تو کی لیکن اگر تم بھی کوشش کرتے اور ناکام رہتے تو تمہارے سوالات قابل قدر تھے۔

بے کار سوالات سے احتراز

بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اگر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ یہ دنیا کی زندگی قیل وقال (۲) کے لئے نہیں وجد وحال کے لئے ہے ہاں اشکال کے حال کا وہ وقت ہے جب تمہیں ہر طرح اطمینان کلی نصیب ہوجائے اور یہ اُس وقت ہوگا جس کی نسبت ارشاد ہے ﴿ وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۙ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴾ ''بہت سے چہرے اُس روز (ایمان کی وجہ سے) روشن (اور مسرت سے) خنداں شاداں

(۱) اس کے حاصل ہونے کو مشکل کہتے ہو (۲) باتیں بنانے کے لئے نہیں ہے۔

ہوں گے'' اس وقت فرصت میں جا کر پوچھ لیجئے گا کہ نزول کے کیا معنے تھے باقی نری الفاظ کی توجیہ سے تسلی نہیں ہوا کرتی اور دیکھئے صحابۂ کرام نے سب کچھ سنا لیکن کبھی نہ پوچھا کہ یہ کیونکر ہوتا ہے اور اس کو تو کیا پوچھتے ایک ہلکی سی بات کو پوچھا تھا اسی کی نسبت ارشاد فرمایا گیا کہ ﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَھِلَّۃِ ط قُلْ ھِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ﴾ ''آپ سے چاند کی حالت کی تحقیقات کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ وہ چاند آلۂ شناخت اوقات ہیں لوگوں کے لئے'' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بیکار سولات کے جواب کی ضرورت نہیں۔ نہ اس قسم کے سوالات کی اجازت ہے اپنے کام میں لگا رہنا چاہیئے۔ کسی شخص نے ایک عارف سے پوچھا کہ معراج میں کیا کیا باتیں حضور ﷺ نے خدا تعالیٰ سے کیں چونکہ یہ ضروری سوال تھا جواب دیا کہ ؎

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد زباغبان بلبل چہ گفت وگل چہ شنید وصباچہ کرد

''اب کس کا دماغ ہے اور کس کی ہمت ہے باغباں سے پوچھے کہ بلبل نے کیا کہا پھول نے کیا سنا اور بادصبا نے کیا کیا''

اور صاحبو! ذات وصفات کے بارے میں حق کس کو ہے کہ وہ کچھ زبان کھول سکے اور دماغ کس کا ہے کہ وہ کچھ سمجھ سکے ؎

تو ندیدی گہے سلیمان رَا چہ شناسی زبانِ مرغاں را

''جب تو نے حضرت سلیمان علیہ السلام ہی کو نہیں دیکھا تو پرندوں کی بولیاں کیا سمجھ سکتا ہے''

نیز یہ بھی ہے کہ ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں کانیجا ہمیشہ باد بدست ست دام را

''اے شکاری اپنا پھندا اُٹھالے عنقا (شہ باز) کا شکار کوئی نہیں کرسکتا اس

جگہ ہمیشہ ہوا ہی نے پھندے کو توڑ دیا ہے یا پھندے کے اندر ہوا ہی رہی ہے"

اور یہی وجہ ہے کہ علامہ غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصانیف میں علم کلام پر بہت انکار کرتے ہیں اور وہی کہتے ہیں جو اس شعر کا حاصل ہے ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں کانیجا ہمیشہ باد بدست ست دام را

صفات باری کا علم

غرض ذات وصفات کے متعلق احاطہ ہوسکنا ممکن نہیں اس لئے کہ ﴿ اَلَآ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ﴾ اور جب وہ عالم بھر کو محیط ہے تو ایک ضعیف انسان اس کی ذات باصفات کو کماحقہٗ کیونکر علماً احاطہ کرسکتا ہے اگر ایک پانی کا کیڑا عالم بھر کے اسرار کی دریافت کی کوشش کرنے لگے اور چاند سورج پر کہ جو اُس کو پانی میں نظر آتی ہیں رائے زنی کرنے لگے تو کیا وہ ان کی پوری جسامت کو دریافت کرسکے گا۔ ہرگز نہیں ہماری وہ حالت ہے کہ ؎

چو آں کرمے کہ درسنگے نہان ست زمین و آسمانِ وے ہمان ست

"اس کیڑے کی طرح جو پتھر کے اندر چھپا ہوا ہے اس کا زمین وآسمان وہ ہی ہے"

تو اگر پتھر کا کیڑا اس کے اندر رہ کر سنے کہ بہت سی متحرک چیزیں دنیا میں ہیں اور وہ ان سب کی حقیقت وہاں ہی ڈھونڈھنے لگے اور جب اس کی سمجھ میں نہ آسکیں تو قطعاً انکار کردے اور سب کو ہیچ بتلادے تو کیا اُس کا ہیچ کہنا قابل التفات ہوگا یا اُس کی جستجو قابل شمار جستجو ہوگی کبھی نہیں اور یاد رکھو کہ جن لوگوں نے کچھ سمجھ لیا ہے وہ یوں کہتے ہیں ؎

حدیث مطرب ومئے گوو راز دہر کمتر جو کہ کس نکشود ونکشاید بحکمت ایں معمار

''گانے بجانے والے اور شراب کے متعلق جو کچھ کہنا ہے کہو اور زمانے کے بھید معلوم کرنے کی فکر میں نہ رہو کیونکہ حکمت کے ذریعہ کوئی بھی اس راز کو نہ سمجھ سکا نہ سمجھ سکتا ہے''

اے اہلِ سائنس سائنس کی تحقیق اس وقت کیجئے کہ جب آپ کو اپنے ضروری مشغلوں سے فرصت ہو لے ذرا آنکھ اُٹھا کر دیکھئے آپ کس منجھدار میں پھنسے ہیں خود آپ کا ضروری مشغلہ ایسا عظیم الشان ہے کہ ؎

بحریست بحرِ عشق کہ ہیچش کنارہ نیست آنجا جُز اینکہ جاں بسپارند چارہ نیست

''عشق کا دریا بڑا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں اس جگہ تو سوائے اپنی جان کو سپرد کر دینے کے اور کوئی علاج نہیں''

تو جب اس بحرِ عشق کے پیچ وخم لامتناہی ہیں تو اس کو چھوڑ کر کواکب کے اسرار میں کہاں جا پھنسے۔

ستاروں سے وجود باری پر استدلال

اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ کواکب وغیرہ کا ذکر خود قرآن شریف میں بھی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن شریف میں محض خدا تعالیٰ کی ہستی اور اُس کے مفرد من الکمال ہونے پر استدلال کرنے کے لئے ان چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے اور اس مقصود کے حاصل کرنے کے لئے ان چیزوں کا اجمالی علم کافی ہے جس کو ایک عامی بھی سمجھ سکتا ہے چنانچہ ایک بدوی کا قول ہے (اَلْبَعْرَۃُ تَدُلُّ عَلَی الْبَعِیْرَۃِ وَالْاَثَرُ یَدُلُّ عَلَی الْمَسِیْرِ فَالسَّمَآءُ ذَاتُ الْاَبْرَجِ وَالْاَرْضُ ذَاتُ الْفِجَاجِ کَیْفَ لَا یَدُلَّانِ عَلَی اللَّطِیْفِ الْخَبِیْرِ)''اونٹ کی میگنیوں سے سمجھا جاتا ہے کہ یہاں سے اونٹ گذرا ہے قدموں کے نشان دیکھ کر سمجھا جاتا ہے کہ یہاں سے کوئی گذرا ہے تو پھر یہ

برجوں والے آسمان اور گڑھوں والی زمین کو دیکھ کر اس کے بنانے والے اللہ تعالیٰ کو نہیں سمجھا جاسکتا جو لطیف بھی اور باخبر بھی ہے''

صاحبو! اس سے زیادہ اور کیا پاکیزہ استدلال ہوگا اب فرمائیے کہ اس بدوی نے سائنس اور ہیئت کی کونسی کتاب پڑھی تھی اور کس مدرسہ میں تعلیم پائی تھی صرف ایک چیز کو دیکھا اور خدا تعالیٰ کی ہستی پر استدلال کیا پس قرآن مجید میں بھی بقدرِ ضرورت اجمالاً ایسے مضامین آئے ہیں ان کی فضول تحقیقات جن پر استدلال علی الصانع موقوف نہ ہو مذکور نہیں۔

سائنسی مسائل کی قرآن میں تلاش کی حقیقت

غرض ان امور میں پڑنا ایک شغل لایعنی ہے پھر آج اس سے بھی زیادہ یہ غضب کیا جارہا ہے کہ سائنس کے ان لایعنی مسائل کو قرآن شریف میں تلاش کیا جاتا ہے صاحبو! اس قسم کے مسائل کا قرآن شریف میں تلاش کرنا ایسا ہے جیسے طب اکبر میں جوتیاں سینے کی ترکیب تلاش کرنا۔ غرض جو شخص کام میں لگے گا اس کو اس قسم کی خرافات کی طرف توجہ نہ ہوگی اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اس قسم کے سوالات نہ کرنا بتلا رہا ہے کہ یہ سوالات سب غیر ضروری اور بے کار ہیں صرف اس قدر اجمالاً سمجھنا کافی ہے کہ یہ مصنوعات ہیں لہذا ان کے لئے کسی صانع کا ہونا ضروری ہے۔

توحید کی غایت

اب توحید کی غایت کو لیجئے اس کو اہتمام کے لئے مکرر بیان کرتا ہوں کہ ہم کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ

یُوْلَدْ ۝ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۝ ﴾ کہ خدا کا کوئی شریک نہیں وہ بے نیاز ہیں نہ اُس نے کسی کو جنا نہ کسی نے اُس کو جنا نہ اس کے کوئی کفو(۱) ہیں۔

اس تعلیم کی ایک غایت تو یہ ہے کہ اس کے اعتقاد سے ہم کو نجات حاصل ہو۔ دوسرے ایک غایت اس کی یہ بھی ہے کہ غیر خدا پر کبھی طمعاً و خوفاً (۲) نظر نہ ہو کیونکہ طبعی امر ہے کہ جب کسی بہت بڑے سے تعلق ہو جاتا ہے تو چھوٹوں کی ہیبت یا احتیاج دل میں باقی نہیں رہا کرتی۔

توحید کا کمال

اکبر شاہ کی حکایت مشہور ہے کہ ایک مرتبہ شکار میں گیا اتفاقاً تن تنہا کہیں دور نکل گیا ایک دیہاتی کے یہاں مہمان ہوا جب چلنے لگا تو اس دیہاتی سے کہا کہ اگر تم کو کبھی حاجت واقع ہو تو تم دارالسلطنت میں ہمارے پاس آنا چنانچہ وہ ایک بار آیا اکبر اُس وقت نماز پڑھ رہا تھا نماز سے فارغ ہو کر اس نے دُعا مانگی جب دُعا سے بھی فراغت کر چکا تو اس دیہاتی نے پوچھا کہ تم کیا کر رہے تھے اکبر نے کہا کہ میں خدا تعالیٰ سے دُعاء مانگ رہا تھا۔ دیہاتی نے کہا تم کو بھی مانگنے کی ضرورت ہے، اکبر نے کہا کہ بیشک مجھے بھی ضرورت ہے۔ کہنے لگا کہ پھر مجھے تم سے حاجت کہنے کی کیا ضرورت جو شخص تمہارے شاہانہ سوالات کو پورا کرے گا کیا وہ میرے غریبانہ سوالات کو پورا نہ کرے گا تو یہ استغنا اُس توحید ہی کے رنگ کی بدولت تھا جو کہ چھلک اُٹھا اسی کو کہتے ہیں ؎

موحد چہ برپائے ریزی زرش　　چہ فولادِ ہندی نہی برسرش
اُمید وہراسش نباشد زکس　　ہمیں ست بنیادِ توحید و بس

(۱) ہمسر (۲) لالچ یا خوف کی وجہ سے۔

''ایک اللہ تعالیٰ پر یقین اور بھروسہ رکھنے والا سونے چاندی کو ٹھوکر سے مارتا ہے خواہ تم اس کے قدموں میں زروزیور رکھدو یا اس کے سر پر ہندی لوہے کی مشہور تلوار رکھدو''

اسی طرح عقائد کے ہر مسئلہ کی ایک غایت علاوہ نجات کے قرآن شریف وحدیث شریف میں ملے گی تو ان غایات کو بالکل نظر انداز کر دینا بڑا ظلم ہے ان کو بھی لینا چاہیئے۔ اس تقریر سے یہ بات ثابت ہوگئی جس طرح ہر عمل کو علم سے تعلق ہے اسی طرح ہر علم کو بھی عمل سے تعلق ہے گو کیفیت تعلق کی مختلف ہو لہذا بڑی کمی ہوگی کہ صرف علم کو بیان کر کے چھوڑ دیا جائے اور اس کے متعلق عمل کو بیان نہ کیا جائے۔ یہاں تک تمہید تھی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بحث علمی کے بعد ضرورت اس کی بھی ہے کہ اعمال سے بحث کی جائے اسی واسطے میں نے اس آیت کو اس وقت پڑھا ہے، تاکہ مولوی شبیر احمد صاحب کے بیان علمی کے بعد اُسی آیت کا بیان عملی بھی ہوجائے۔

حب دنیا کی حقیقت

بالجملہ اس میں خدا تعالیٰ ایک شکایت کو ظاہر فرمارہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ تم لوگ دنیا سے محبت کرتے ہو اور آخرت چھوڑتے ہو یہاں تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ کے بعد وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ (تم جلدی سے ملنے والی چیز دنیا سے محبت کرتے ہو اور چھوڑ دیتے ہو آخرت کو) بڑھانے سے حُبِّ دنیا کی تفسیر بھی ہوگئی یعنی حُبِّ دنیا اس کو کہیں گے جس میں آخرت کا ترک ہوجائے اور اسی سے حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَةٍ کے معنی بھی سمجھ میں آگئے ہونگے یعنی حُبِّ دنیا وہ ہے کہ اس کی بدولت آخرت چھوٹ جائے ورنہ اگر آخرت نہ چھوٹے تو وہ حُبِّ دنیا نہ سمجھی

جائے گی اور وہ رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ میں داخل نہ ہوگی گو اس کی طرف طبعی میلان اور بقدر ضرورت اُس کا اکتساب بھی ہو اس کے دریافت کرنے سے بہت سے اشکالات رفع ہو جائیں گے کیونکہ فدایانِ ترقی یہ سمجھتے ہیں کہ علماء ہم کو دنیا کے لینے سے بالکل روکتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ہم مسجد کے ملا ہو کر بیٹھ رہیں۔

من گھڑت حکایت

چنانچہ ان لوگوں نے اس قسم کی ایک حکایت بھی گڑھی ہے کہتے ہیں کہ کسی بادشاہ کے ہاں بہت سے مولوی جمع ہو گئے تھے سب نے اتفاق کر کے بادشاہ سے کہا کہ فوج پر یہ روپیہ فضول خرچ ہو رہا ہے سب کو موقوف کر دو اس نے کہا کہ فوج ضرورت سے رکھی ہے کہ اگر کوئی غنیم آئے تو یہ اُس کو دفع کریں (۱) مولویوں نے کہا کہ اگر ایسا ہوگا تو اس کام کو ہم انجام دیں گے غرض فوج موقوف (۲) کر دی گئی یہ خبر مشہور ہوئی تو کوئی غنیم (۳) آچڑھا۔ بادشاہ نے مولویوں سے خبر کی یہ لوگ کتابیں لے کر پہنچے اور وعظ و نصیحت سنایا وہ کیوں سننے لگا تھا آخر ناکام واپس آئے اور بادشاہ سے کہا کہ صاحب وہ بڑا نالائق ہے مانتا نہیں خیر پھر آپ ملک چھوڑ دیجئے آپ کا ملک گیا اُس کا ایمان گیا اور اس حکایت کو پیش کر کے کہا کرتے ہیں کہ اگر مولویوں کے کہنے پر چلیں تو گھر بار سب چھوڑ دیں صاحبو! اس افواہی (۴) حکایت کی تو کچھ اصل ہی نہیں ہے جس کا جواب دیا جائے۔

علماء سے تنفر کی وجہ اور تعلق پیدا کرنے کا طریقہ

لیکن اصل اعتراض کی نسبت کہتا ہوں کہ آپ لوگ کسی مولوی کے پاس

(۱) اگر کوئی دشمن حملہ کرے تو اس سے دفاع کر سکے (۲) فوج ختم کر دی گئی (۳) دشمن (۴) اس من گھڑت حکایت کی تو کوئی حقیقت نہیں۔

رہے نہیں اسی لئے آپ کو اس قدر وحشت اور اجنبیت ہے چند روز تک اگر کسی مولوی کے پاس رہیئے تو ان شاء اللہ آپ کو معلوم ہوجائے کہ مولوی کیا تعلیم آپ کو دیتے ہیں۔ اور اگر کہے کہ ہم اتنا وقت کہاں سے لائیں تو میں کہوں گا کہ آپ امراضِ جسمانی کی ضرورت سے رخصت لیتے ہیں یا نہیں اور اس رخصت میں تین تین چار چار مہینے گنوادیتے ہیں یا نہیں تو جب امراض جسمانی کے لئے ایک سول سرجن انگریزی کے کہنے سے چار مہینے فضول برباد کردیئے تو امراض روحانی کے علاج کے لئے ایک عربی سول سرجن کے کہنے سے بجائے چار مہینے کے چالیس دن ہی اُس کے پاس فارغ ہوکر رہ لو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ معتقدانہ رہو بلکہ ممتحنانہ[1] رہنے کی اجازت ہے ہاں معاندانہ[2] طور پر نہ رہو۔

چلہ کی حقیقت اور فائدہ

اب اس سے زیادہ اور کیا آسانی ہوگی کہ عمر بھر میں سے صرف چالیس دن مانگے جاتے ہیں واللہ اگر آپ ایسا کرلیں تو قریب قریب تمام سوالات کے جوابات خود بہ خود بدوں مناظرہ کے آپ کی سمجھ میں آجائیں اور جب آپ چلنے لگیں اُس وقت آپ سے پوچھا جائیگا آیا یہ کہنا صحیح تھا یا نہیں کہ ؎

اے لقائے تو جوابِ ہر سوال مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

''اے وہ ذات کہ تیری ملاقات ہی سے سب سوالوں کا جواب مل جاتا ہے اور تیرے ذریعے ساری مشکلیں بغیر حجت کے پوری ہوجاتی ہیں''

اور اُس وقت کہا جائے گا کہ دیکھ لو ؎

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب گر دلیلت باید از ی رُو متاب

(۱) معتقد بن کر نہ رہو بلکہ بطور امتحان ہی کے رہ لو (۲) دشمن بن کر نہ رہو۔

''آفتاب خود آفتاب ہی کی دلیل ہے اگر تو اس کے وجود کی دلیل چاہتا ہے تو اس کی طرف سے چہرہ مت ہٹا''

اور چالیس دن کی تخصیص اپنی رائے سے نہیں کرتا بلکہ خود حدیث سے ہم کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ اگر ہم چالیس دن تک کسی کام کو نباہ کے کرلیں تو پھر ہماری مدد ہوتی ہے۔ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں (مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰہِ اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا اجری اللّٰہُ مِنْ قلبہٖ ینَابیع الحکمۃِ اَوْ کَمَا قَالَ) ''جس شخص نے چالیس دن خالص اللہ کے لئے کردیئے اللہ تعالیٰ اس کے دل سے حکمت کے چشمے جاری کردیتا ہے''

چلہ میں اخلاص کی ضرورت

حضور ﷺ پر قربان ہوجائے کہ ہر ہر ضرورت میں ہماری دستگیری فرمائی اور ایک معیار ہم کو بتلادیا کہ اس کے موافق ہم باطمینان کام کرسکیں اور وہ معیار یہ ہے کہ اس میں اخلاص ہو ایسا چلہ نہ ہو جیسا کہ ایک گنوار نے کیا تھا کہ اس کو مولوی صاحب نے نماز پڑھنے کے لئے کہا اور چلہ (۱) بھر پڑھنے پر ایک بھینس دینے کا وعدہ کیا جب چلہ پورا ہوگیا تو یہ شخص مولوی صاحب کے پاس گیا اور کہا کہ چالیس دن پورے ہوگئے لہذا بھینس دیجئے مولوی صاحب نے کہا کہ بھائی میں نے تو اس لئے کہدیا تھا کہ اگر تو نے چلہ بھر جم کر نماز پڑھ لی تو عادت پڑ جائیگی اور پھر نہ چھوٹ سکے گی کہنے لگا بہتر ہے نہ دیجئے جاؤ پھر یاروں نے بھی بے وضو ٹرخائی ہے (۱) تو جیسے اُس کو بے وضو پڑھنے کی وجہ سے اثر نہ ہوا اسی طرح اگر تم بھی مثلاً اس نیت سے رہو کہ مولوی صاحب کے پاس رہ کر خوب دعوتیں کھانے کو ملیں گی تو

(۱) چالیس دن نماز پڑھنے پر (۲) میں نے بھی بغیر وضوء کے ہی نماز پڑھی ہے۔

خاک بھی اثر نہ ہوگا۔ بلکہ میں یہ بتلائے دیتا ہوں کہ اگر کسی کے پاس جا کر رہنے کا قصد ہو تو اپنے پاس ہی سے کھانا بھی ہوگا تا کہ خرچ کر کے تعلیمات کی قدر تو ہو کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جو چیز مفت آتی ہے اُس کی کچھ قدر بھی نہیں ہوا کرتی لہذا اُس تعلیم کا معاوضہ یہ ہے کہ چالیس دن تک اپنا خرچ کر کے رہو مجھے حضرت حاجی صاحب قبلہ نے ایک کتاب چھپوانے کے لئے فرمایا میں نے اُس کے مفت تقسیم کرنے کا خیال ظاہر کیا فرمایا کہ بھائی مفت تقسیم نہ کرنا کیونکہ لوگ دیکھیں گے بھی نہیں۔ غرض علماء سے وحشت یا ان پر اعتراضات یا مسائلِ اسلام میں شکوک اُسی وقت تک ہیں کہ جب تک آپ ان کے پاس جا کر نہیں رہتے مگر نہایت افسوس ہے کہ اظہار طلب اور شکوک ہونے کے باوجود بھی یہ نہیں ہوتا کہ چالیس دن کسی کے پاس جا کر رہ لیں۔

ازالہ شکوک کا طریقہ

قصبۂ کیرانہ میں ایک تحصیلدار صاحب نے ایک صاحب کو پیش کر کے کہا کہ ان کو بعض مسائل اسلام میں شکوک ہیں میں نے کہا ان شکوک کا علاج یہ نہیں کہ اس مختصر جلسہ میں یہ اُن کو پیش کریں اور میں جواب دیدوں اور سن کر چلے جائیں ان کا علاج یہ ہے کہ چند روز کے لئے میرے پاس تھانہ بھون میں آ کر رہیں اور میں جو کہا کروں اس میں یہ غور کیا کریں ان صاحب نے نہایت زور کے ساتھ تھانہ بھون آ کر رہنے کا وعدہ کیا تھا لیکن مدت گذر گئی اور ان کا وعدہ وفا نہیں ہوا اصل بات یہ ہے کہ لوگ اپنی اس حالت کو مرض نہیں سمجھتے حالانکہ یہ اتنا بڑا مرض ہے کہ کوئی مرض بھی اس کے برابر نہیں نیز مرض بھی پرانا ہے لہذا ایک دو جلسہ میں اس کا ازالہ ممکن نہیں کم سے کم ایک چلہ تو ضرور طبیب کے پاس رہنا چاہیئے جیسا حدیث

میں مذکور ہوا اسی حدیث کا حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے گویا ترجمہ کیا ہے ؎

شنیدم رہروی در سرزمینی ہمے گفت ایں معمارا قرینے
کہ اے صوفی شراب انگہ شود صاف کہ در شیشہ بماند ار بعینے

''کسی ملک میں میں نے ایک راستہ چلنے والے شخص سے یہ بات سنی وہ اس بات کو بڑے قاعدے اور مزے سے کہتا تھا کہ اے صوفی شراب اس وقت صاف ہوتی ہے جبکہ شیشے کے اندر چالیس روز رہے''

شیشے سے مراد قلب ہے اور شراب سے مراد محبت الٰہی ہے معلوم ہوا کہ ایک چلہ علاج کرنے سے ان شاء اللہ اصل مرض جاتا رہے گا اور پھر ان شاء اللہ عمر بھر مقویات (۱) پہنچتی رہیں گی گویا مسہل (۲) تو طبیب کے پاس رہ کر ہوجائیگا اور ازالۂ مرض کے بعد تقویت پہنچانے والی دوائیں دور رہ کر بھی پہنچتی رہیں گی۔ خدا کے لئے صاحبو اس علاج کو آزما کر تو دیکھو۔ اور چونکہ میں نے اصل علاج بتلادیا ہے لہذا مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ میں لوگوں کے جزئی شکوک اور شبہات کا جواب دوں۔

دنیا کی محبت سب گناہوں کی اصل ہے

لیکن تبرعاً خاص اس مقام کے اقتضاء سے اتنا کہتا ہوں کہ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ کے بعد بطور تفسیر کے تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ بڑھا دینے سے حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَةٍ کے متعلق شبہات کا جواب ہوگیا کہ حُبُّ دنیا وہی ہے جس میں ترک آخرت ہو نہ کہ کسبِ دنیا، پس کسبِ دنیا جائز ہے (۳) اور حُبِّ دنیا (۴) ناجائز۔

(۱) طاقتور غذائیں (۲) فاسد مادہ تو چالیس دن شیخ کی خدمت میں رہ کر نکل گیا اور قوت دینے والی دوائیں یعنی ذکر اذکار دور رہ کر بھی کرسکتا ہے (۳) دنیا کمانا جائز ہے (۴) دنیا کی محبت ناجائز ہے۔

کسب اور حُبّ میں وہی فرق ہے جو کہ غلیظ (۱) کے صاف کرنے اور کمانے اور اُس کے کھانے میں ، کہ اول برا نہیں دوسرا بُرا اور معیوب ہے اور یہی وجہ ہے کہ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ فرمایا تَکْسِبُوْنَ العَاجِلَةَ نہیں فرمایا اب اپنے اوپر منطبق کر لیجئے اور دیکھئے کہ آپ تُحِبُّوْنَ کے مصداق ہیں یا تَکْسِبُوْنَ کے۔ اس انطباق میں عوام سے تو کچھ خوف اور اندیشہ اس لئے نہیں کہ اُن کو کچھ خبر ہی نہیں اُن بیچاروں سے جو بات کہدی گئی انہوں نے سن لی اور عمل کر لیا اور علماء سے اس لئے خوف نہیں کہ ان حضرات کی نظریں اصل حقیقت تک پہنچی ہوئی ہوتی ہیں۔

غلط فہمی کا اندیشہ

البتہ ان نیم خواندہ لوگوں سے جو بوجہ نیم ہونے کے تلخ بھی ہیں ڈر لگتا ہے کہ قرآن شریف کا ترجمہ دیکھ کر یہ نہ کہدیں کہ ہم کو یہ آیت سن کر اپنی حالت پر منطبق کرنے کی اس لئے ضرورت نہی کہ ہم اس کے مخاطب ہی نہیں کیونکہ یہ آیت مکی ہے لہذا کفار اس کے مخاطب ہوں گے ہم مسلمان اس کے مخاطب نہیں ہو سکتے ہم سے اس آیت کو کیا تعلق۔

ازالہ غلط فہمی

لہذا اس کے متعلق عرض کرتا ہوں اور میں نے اس مضمون کو متعدد مرتبہ اس کے قبل بھی بعض جلسوں میں بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ اکثر لوگ آیات کے متعلق یہ سن کر کہ کفار کو خطاب کیا گیا تھا بے فکر ہو جاتے ہیں حالانکہ اس سے بے فکر نہیں ہونا چاہیئے بلکہ زیادہ فکر میں پڑ جانا چاہیئے اور زیادہ اثر لینا چاہیئے کیونکہ جب کوئی آیت عتابیہ کفار کی شان میں نازل ہوتی ہے (۲) تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس

(۱) گندگی کو صاف کرنے اور کھانے میں فرق ہے۔ کہ صاف کرنا برا نہیں کھانا برا ہے (۲) جب آیت میں کفار کے بارے میں عتاب ہو۔

آیت کے مضمون کا خطاب کفار کو ان کی ذات کی وجہ سے ہوا ہے یا کسی صفت کی وجہ سے، ظاہر ہے کہ ذات کی وجہ سے یہ خطاب نہیں ہوا اور نہ ہر انسان کو گو وہ متقی ہی ہو اُس کا خطاب ہوتا کیونکہ ذاتاً سب متحد ہیں اور لازم باطل ہے پس معلوم ہوا کہ کسی صفت کی وجہ سے یہ خطاب ہوا ہے اور کوئی حالت خاصہ اس مضمون کے ترتب کی علت ہے(۱) تو اگر وہ علت کفار کے علاوہ کسی دوسری جگہ بھی پائی جائیگی تو اس جگہ بھی یہ مضمون مرتب ہوگا۔ مثلاً اسی آیت میں وعید کا مدار حب العاجلہ ہے(۲) لہٰذا اگر حُبّ عاجلہ تمہارے اندر پائی جائے گی تو تم بھی وعید کے تحت میں داخل ہوگے پس اب غور کرلو اور اگر اپنے اندر حُبّ عاجلہ دیکھو تو بہت جلد اس کا علاج کرو اور اپنی حالت پر افسوس کرو کہ جو امور اُس زمانے میں کفار میں ہوتے تھے وہ آج تمہارے یعنی مسلمانوں کے اندر موجود ہیں۔ اسی طرح حدیث (مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ) ''جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اس نے کفر کا کام کیا'' میں تاویل کر کے لوگ بے فکر ہوگئے ہیں حالانکہ یہ بے فکری کی بات نہیں بلکہ اگر تاویل اس میں نہ ہوتی اور حقیقی معنی مراد ہوتے تو کچھ زیادہ مَرن(۳) نہ تھی کیونکہ اگر کسی چمار(۴) کو چمار کہہ دیا جائے تو اس کو کچھ غیرت نہ آئے گی اور اگر کسی شریف کو چمار کہہ دیا جائے تو اُس کو مر رہنا(۵) چاہیئے تو تاویل کرنے سے وعید میں من وجہ زیادہ شدت ہوگئی اور زجر(۶) بڑھ گیا مگر افسوس ہے کہ ہم لوگ فہم سے(۷) کام نہیں لیتے بحمد للہ نیم خوانوں(۸) کا شبہ تو رفع ہوا۔

---

(۱) یہ عتاب کسی خاص صفت کی بنا پر ہوا ہے (۲) عتاب کی وجہ دنیا کی محبت ہے (۳) زیادہ شرمندگی کا باعث نہ تھی (۴) بھنگی کو (۵) شرم سے ڈوب کر مرجانا چاہئے (۶) اس انداز بیان میں زیادہ سختی اور زیادہ تنبیہ ہے (۷) سمجھ (۸) آدھے عالموں۔

شبہ کا جواب

لیکن ایک شبہ تین پاؤ خوانوں (۱) کا رہ گیا ہے کہ تحبون اور تذرون سے مطلق محبت اور ترک مراد نہیں بلکہ یہ دونوں لفظ خاص ہیں یعنی وہ ترک مراد ہے جو اعتقاداً (۲) ہو اسی طرح محبت سے وہ محبت مراد ہے جو اعتقاداً بقائے دوام (۳) کے ساتھ ہو اور ہم میں یہ دونوں باتیں نہیں ہیں کیونکہ ہم بحمداللہ قیامت کے قائل ہیں دنیا کو فانی جانتے ہیں اس کا جواب ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں کوئی قید نہیں اور تمہارے پاس اس قید کی کوئی دلیل نہیں اور بلا دلیل کوئی دعوی مسموع (۴) نہیں ہوتا پس اس قسم کی قید لگانا قرآن شریف کے مقصود کو باطل کرتا ہے اور ایسی مثال ہے کہ ایک شخص نے کسی مقام پر پہنچ کر ایک مجمع میں بیٹھ کر کہنا شروع کیا کہ میں جب یہاں آیا تو ایک عورت سے میری آشنائی ہوئی اور میں اُس کے گھر جایا کرتا تھا اور اس کا گھر ایسا ایسا تھا اور اس کا شوہر ایک بار آ گیا تھا اور اُس نے مجھ کو اس اس طرح چھپا دیا تھا اور اُس موقعہ پر اُس عورت کا شوہر بھی تھا اور اُس کے پکڑنے کی فکر میں تھا اب یہ اقراری مجرم مجمع کے سامنے ہو گیا جرم ثابت ہونے میں کوئی حجت باقی نہ رہی اُس عورت کو خبر ہوئی اور کچھ اشارہ کر دیا جس کو یہ سمجھ گیا اور تمام قصہ ختم کر کے اخیر میں کہہ دیا کہ بس اتنے میں آنکھ کھل گئی تو کچھ بھی نہ تھا لوگوں نے کہا کہ کیا یہ سب خواب تھا کہنے لگا اور نہیں تو بھلا میں غریب پردیسی مجھ کو کون پوچھتا ہے تو ایسی تاویل آپ حضرات ہی کو مبارک ہو۔ ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ اَلْمَطْلَقُ یَجْرِی عَلٰی اِطْلَاقِہٖ ''جس میں کوئی شرط اور قید نہ ہو وہ عام ہی رہے گا'' البتہ اگر ترکِ عمل کی اباحت کہیں قرآن شریف یا حدیث شریف میں مذکور ہوتی تو البتہ

(۱) جن کا علم آدھے سے کچھ زیادہ ہے ان کا شبہ رہ گیا ہے (۲) اس سے مراد محبت کا عقیدہ رکھنا ہے (۳) وہ محبت مراد ہے جس میں یہ عقیدہ ہو کہ دنیا ہمیشہ قائم رہے گی (۴) قابل سماع نہیں۔

رفعِ تعارض کے لئے اس موقع پر قیدِ مذکور لگا کر تاویل کی جاتی اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ یہ مسئلہ اجراء مطلق علی الاطلاق ہر جگہ نہیں بلکہ اس مقام پر ہے کہ جہاں مطلق کو اطلاق پر رکھنے میں کسی دوسری آیت یا حدیث سے تعارض واقع نہ ہو اور اگر تعارض ہوگا تو مطلق اپنے اطلاق پر نہ رہے گا غرض یہ ہے کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ اپنی مرضی کے موافق جہاں چاہیں اور جس طرح چاہیں کرلیں مگر افسوس ہے کہ ہم کو اس کی ذرا پرواہ نہیں وہ حالت ہورہی ہے کہ ؎

بر ہوا تاویل قرآں میکنی پست وکژ شد از تو معنی سنی
چوں ندارد جانِ تو قندیل ہا بہر بینش میکنی تاویلہا
کردۂ تاویل لفظِ بکر را خویش را تاویل کن نے ذکر را(۱)

جو تیرے پاس روشنی کے لئے قندیلیں نہیں ہیں تو تو اپنی عقل کے لئے تاویلیں گڑھ رہا ہے۔

اہل درد کا حال

اور میں علی سبیل التنزل (۲) کہتا ہوں کہ اگر یہ معنی مطلق نہ بھی ہوں اور تَـذَرُوْنَ مقید ہی ہو اعتقادی ترک کے ساتھ تب بھی آپ کو بے فکری نہ ہونا چاہئے کیونکہ جس دل میں درد ہوتا ہے اُس کو تھوڑے سے التفات سے تنبیہ ہوجاتی ہے گو وہاں دوسری ہی کسی حالت کا بیان ہو مشہور ہے کہ

عشق ست و ہزار بدگمانی (۳)

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک سبزی فروش صدا لگاتا ہوا نکلا

(۱) ہوائے نفسانی کی بنا پر قرآن کے معنی میں تاویل کرتا ہے۔ تیری اس تاویل سے معنی کچھ کے کچھ ہوگئے تیرے پاس روشنی کی قندیل یعنی علم تو ہے نہیں بس اپنی قابلیت جتانے کے لئے فضول تاویلات کرتا ہے تو قرآن کے الفاظ میں تاویلات کرتا ہے تجھے اپنے اندر تاویل وتبدیلی کرنی چاہیئے نہ کہ قرآن میں (۲) کم از کم میں اتنا ضروری کہتا ہوں (۳) عشق کے باعث ہزاروں بدگمانیاں ہوتی ہیں۔

الخیار العشرة بدانق جس کے معنی یہ ہیں کہ دس ککڑیاں ایک دانق کی عوض لیکن حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے سن کر ایک چیخ ماری اور رونے لگے اور فرمایا کہ جب دس پسندیدہ آدمیوں کی یہ قیمت ہے تو ہم گنہگار کس شمار میں ہیں ان کا ذہن منتقل ہوا خیار کے دوسرے معنی کی طرف یعنی نیک لوگ۔ ان لوگوں کے دل میں ہر وقت وہی ایک بات رچی رہتی ہے(۱) حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

بسکہ درجانِ فگار و چشم بیدارم توئی ہر کہ پیدا میشود از دور پیدارم توئی

''حقیقت یہ ہے میری جان میں جان ڈالنے والا اور میری کھلی آنکھ تو ہی ہے اور دور سے بھی جو کہ مجھے دکھائی دیتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ بس تو ہی ہے''

ممکن ہے کہ کسی کو یہ خیال پیدا ہو کہ شعراء کے کلام سے مسائل پر استدلال کیا جاتا ہے ۔ اس لئے میں حدیث سے بھی اس کو ثابت کرتا ہوں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں خطبہ فرما رہے تھے اور صحابۂ کرام کچھ کھڑے کچھ بیٹھے تھے اور کچھ آرہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِجْلِسُوْا یعنی بیٹھ جاؤ اس ارشاد کو سن کر جو شخص جس جگہ تھا اسی جگہ بیٹھ گیا حتی کہ ایک صحابیؓ اُسی وقت مسجد میں داخل ہوئے تھے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو سن کر فوراً جوتوں کے پاس بیٹھ گئے حالانکہ جانتے تھے کہ مخاطب وہ لوگ ہیں جو جگہ پر پہنچ کر بھی بیٹھے نہیں لیکن محض اس وجہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور تمہارے کانوں میں پڑا ہے اگرچہ تم بظاہر مخاطب نہیں لیکن خطاب محبوب کو سننے والے تو ہو لہذا بیٹھ ہی جانا چاہیئے تو آپ لوگ جامی رحمۃ اللہ علیہ اور شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی جانے دیجئے خود حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دردِ دل کا اور محبت کا مقتضا یہ ہے کہ احتمال پر بلکہ مشابہت احتمال پر بھی اپنے کو مخاطب سمجھے اگرچہ اپنے مخاطب ہونے کا یقین نہ ہو بلکہ مخاطب نہ ہونے کا بھی یقین ہو مگر یہ سمجھ لیجئے

(۱) دل میں یہی ایک بات رہتی ہے۔

کہ جامی رحمۃ اللہ علیہ کو چھوڑ کر جام نصیب نہ ہوگا۔ غرض جس طرح آپ چاہیں ثابت سمجھیں حدیث سے یا شعراء کے اقوال سے ہمارا مقصود ہر طرح حاصل ہے۔

دنیا کی محبت کے درجات

اب میں مقصود کی تفصیل کرتا ہوں کہ اس آیت میں حُبِّ عاجلہ پر ملامت فرمائی گئی ہے اور اس کے مراتب مختلف ہیں تو جس درجے کی محبت ہوگی اُسی درجے کی ملامت بھی اس پر مرتب ہوگی۔

ایک درجہ: تو محبت کا انتہائی ہے جس کو کفر کہتے ہیں اور اُس پر ابدالآباد کی سزا اور ملامت مرتب ہوگی بحمداللہ مسلمان اس سے تو پاک ہیں۔

دوسرا درجہ: یہ ہے کہ اعتقاد تو صحیح ہے یعنی آخرت کے امکان اور وجود دونوں کا قائل ہے لیکن اس اعتقاد اور علم کا جو نتیجہ ہونا چاہیئے تھا کہ اعمال درست ہوتے خشیت کا غلبہ ہوتا دنیا سے دل سرد ہوتا یہ بات نہیں ہے اس کے متعلق خدا تعالیٰ اس آیت میں ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ﴾ کہ قیامت کا دن جس میں حساب کتاب ہوگا اور ایک ایک جزئی عمل کو جانچا جائے گا سر پر آ گیا ہے مگر لوگ ابھی خواب غفلت میں مست ہیں جو لوگ صرف علم کو کافی سمجھ کر عمل کی ضرورت نہیں سمجھتے وہ اس میں غور کریں اور دیکھیں کہ اب بھی ان کی رائے صحیح رہتی ہے یا نہیں۔ صاحبو! یاد رکھو یہ مرجئہ (۱) کا مذہب ہے۔ آپ لوگ اگرچہ درجۂ اعتقاد میں اس کے قائل نہ ہونے کی وجہ سے اعتقادی مواخذے سے نجات پا جائیں لیکن بالکل بری الذمہ نہیں ہو سکتے۔ صاحبو! ہم لوگ خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے اہل سنت والجماعت ہیں ہمارے نزدیک ہر ایک چیز اپنے درجے پر ہے۔ علم اپنے درجے پر ہے اور عمل اپنے درجے پر ہے۔

(۱) ایک باطل فرقہ ہے۔

گناہ صغیرہ وکبیرہ

اور یہ نہ سمجھو کہ ترکِ عمل گناہ صغیرہ ہے اس لئے قابل توجہ نہیں کیونکہ اول تو یہ گناہ صغیرہ نہیں بلکہ کبیرہ ہے دوسرے اگر بالفرض (۱) صغیرہ بھی ہوتا تب بھی قابل توجہ تھا اس لئے کہ گناہ صغیرہ اور کبیرہ کی مثال چھوٹی چنگاری اور بڑے انگارے کی سی ہے یعنی جس طرح ایک بڑا انگارا غفلت ہونے کی صورت میں قصرِ عالیشان کو خاکستر (۲) بنادینے کے لئے کافی ہے اسی طرح ایک چنگاری بھی تھوڑی مدت میں اُس انگارے کی برابر بلکہ اُس سے زائد کام کرسکتی ہے اور اگر اب بھی کسی صاحب کو گناہ صغیرہ کے قابل ترک ہونے میں تامل ہو تو وہ مہربانی کرکے ایک چھوٹی چنگاری اپنے گھر کے چھپر میں رکھ کر دیکھ لیں۔ صاحبو! سچ کہتا ہوں کہ تمہارے قصرِ ایمان کے لئے گناہ صغیرہ ایسا ہی ہے جیسے چھپر کے لئے چھوٹی چنگاری اور یہ گفتگو علی سبیل التنزل (۳) تھی ورنہ جیسا پہلے کہا جاچکا ہے ترک عمل صغیرہ نہیں۔ کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ شریعت کے خلاف وضع رکھنا یا رشوت لینا عدل نہ کرنا چوری کرنا ہمیشہ ڈاڑھی منڈانا ٹخنوں سے نیچے یا ٹخنوں کی برابر پاجامہ پہننا معاصی صغیرہ ہیں۔ کبھی نہیں۔ البتہ کفر سے کم ہیں لیکن جو چیزیں کفر سے کم ہوں اُن سے بے فکری کی اجازت ملجانا ضروری نہیں ۔

آسماں نسبت بعرش آمد فرود لیک بس عالیست پیشِ خاک تود

''عرش الٰہی کے لحاظ سے تو آسمان نیچے ہے مگر مٹی کے ڈھیر اور پہاڑوں سے بہت بلند ہے''

صاحبو! چھوٹا بڑا ہونا امرِ اضافی ہے لہذا ممکن ہے کہ جو امر دوسرے امر کی نسبت چھوٹا ہو وہ نظر اُالی ذاتہٖ (۴) بہت بڑا ہو۔ ہمارے عرف میں باپ کے بڑے

(۱) اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ یہ صغیرہ ہے (۲) جلا کر خاک کردیتا ہے (۳) یہ گفتگو تو اس صورت میں ہے جبکہ کم از کم یہ درجہ اختیار کیا جائے کہ صغیرہ گناہ کو چھوٹا کہا جائے (۴) اپنی ذات کے اعتبار سے بہت بڑا ہو۔

بھائی کو تایا کہتے ہیں تو باپ تایا سے چھوٹا ہوتا ہے لیکن کسی کو نہ دیکھا ہوگا کہ تایا سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے اپنے باپ کو اپنا صاحبزادہ سمجھنے اور کہنے لگا ہو بلکہ تایا کی برابر ہی اُس کی عزت بھی کی جاتی ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ اگرچہ تایا کی نسبت چھوٹا ہے لیکن فی نفسہٖ تو چھوٹا نہیں اسی طرح عمل کا گناہ اگرچہ کفر سے چھوٹا ہے لیکن فی نفسہٖ وہ چھوٹا نہیں ہے۔

حب عاجلہ کے مراتب

اور عمل کو ضروری نہ سمجھنے کی بلا، کہ عملی حُبِّ عاجلہ ہے (۱) ایسی عام ہے کہ اس میں عوام علماء بلکہ اہل باطن کم وبیش سب ہی مبتلاء ہیں لیکن سب کا ابتلاء مختلف حیثیتوں اور مختلف مراتب کا ہے اسی لئے ممکن ہے کہ بعض فرقوں کا ترکِ عمل صغیرہ ہی کے مرتبہ میں ہو یا بعض خلافِ اولیٰ ہی کے مرتکب ہو رہے ہوں۔ لیکن جس طریق میں وہ ترک پیش آرہا ہے اُس کے اعتبار سے وہ کبیرہ یعنی مہتم (۱) بالشان ہی سمجھا جائے گا۔

پس سب سے بڑا درجہ تو کفر ہے اُس کے بعد مسلمان دنیا داروں کی حالت۔ بالخصوص ان میں سے ایک خاص جماعت کی جس کو اس زمانہ کی نیرنگی جدّت (۳) نے بیحد متاثر کیا ہے یہ لوگ خدا و رسول ﷺ کے قائل نہیں اُس کو برحق مانتے ہیں لیکن ایسا مانتے ہیں کہ وہ ماننا نہ ماننے کی برابر ہے چنانچہ بعض یہاں تک کہتے ہیں کہ ضرورت مذہب مجبور کرتی ہے کہ خدا و رسول ﷺ کو مانا جائے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ ہم اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اور اسلام کا پہلا مسئلہ یہ ہے کہ خدا و رسول ﷺ برحق ہیں اس لئے ہم کو بھی ماننا چاہیئے۔ اور اس اعتقاد و تسلیم کی جو حقیقت ہے ظاہر ہے۔ نیز بعض لوگ ان میں ایسے بھی ہیں کہ محض قومیت کی وجہ سے مذہب اور مذہب کے مسائل کے

(۱) عمل کو ضروری نہ سمجھنے کی مصیبت یہ ہے کہ وہ دنیا کی محبت کی بنا پر ہے جس میں سب مبتلاء ہیں (۲) قابل اہتمام (۳) اس زمانہ کی رنگینی اور جدت نے۔

قائل ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ترقی قومی ان لوگوں کے نزدیک اصل مقصود ہے اور ترقی بدون اتحاد کے حاصل نہیں ہوسکتی اور حصول اتحادِ قومی کے لئے اتحادِ مذہب سب سے اچھا ذریعہ ہے لہذا ہم سب کو ایک مذہب ماننا چاہیئے تو چونکہ اتحادِ مذہب ترقی قومی کا موقوف علیہ ہے(۱) اس لئے مجبوراً اس کو مانا جاتا ہے تاکہ اُن کا تمدّن اور ترقی محفوظ رہے اس جماعت کے نزدیک اسلام کی جو وقعت ہے وہ بالکل ہی ظاہر ہے یعنی اس نے مذہب اسلام کو ایک دنیاوی مطلوب کے حصول کا آلہ قرار(۲) دیا اور آلہ خود مقصود بالذات نہیں ہوا کرتا بلکہ اگر کبھی مقصود کسی دوسرے طریقے سے حاصل ہونا ممکن ہو تو آلہ کو ترک کردیا جاتا ہے لہذا یقینی ہے کہ اگر بدون اتحاد فی المذہب(۳) کے کسی دوسرے طریقے سے تمدنی ترقی ان لوگوں کو حاصل ہوسکے تو ہرگز یہ متحد فی المذہب نہ رہیں یا کم از کم اس اتحاد کو غیر ضروری سمجھنے لگیں یا اگر اتحاد پر تو موقوف ہو لیکن اتحاد فی الاسلام پر موقوف نہ ہو تو ہرگز یہ لوگ مسلمان نہ رہیں۔ چنانچہ اسی جماعت کے ایک صاحب نے حال میں یہ رائے پیش کی تھی کہ دنیا میں سب کے لئے ایک مذہب ہونا چاہیئے۔ اور وہ مذہب توحید ہے غیر موحدین کو توحید اختیار کرنا چاہیئے اور اہل توحید کو اعتقاد رسالت کی قید سے قطع نظر کرنا چاہیئے اگر کوئی شخص رسالت سے مختلف الرائے ہو تو کچھ مضائقہ نہیں اس کو مذہب کا مخالف نہ سمجھنا چاہیئے نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا ''اللہ تعالیٰ ہم کو ہمارے نفسوں کی برائیوں سے بچائیں'' صاحبو! یہ وہی مذہب ہے جس کی نسبت کہا گیا ہے

از مذہب من گبرو مسلماں گلہ دارد(۴)

انکار رسالت انکار توحید کو مستلزم ہے

اور لیجئے ایک مسلمان نے ایک مجمع میں کہا کہ توحید پر مدارِ نجات ہے

(۱) قومی ترقی چونکہ اتحاد مذہب پر موقوف ہے (۲) دنیا کے حصول کا ذریعہ قرار دیا ہے (۳) مذہبی اتحاد کے بغیر (۴) میرے مذہب سے آتش پرستوں اور مسلمانوں دونوں ہی کو گلہ ہے۔

رسالت کا اقرار کوئی ضروری مسئلہ نہیں ہے اگر اس کا کوئی منکر بھی ہو تو اس کی نجات ہو جائیگی میں نے جواب میں کہا کہ توحید کو تو موقوف علیہ نجات کا مانا جاتا ہے اب سمجھو کہ توحید کی حقیقت کیا ہے؟ سو توحید کی حقیقت یہ ہے کہ ہم ایسا معبود ایک مانیں کہ نہ اُس کا کوئی شریک و سہیم (۱) ہو نہ کمالات میں کوئی حالت منتظرہ اُس میں باقی ہو نہ عیوب میں سے کوئی عیب اس کے اندر پایا جاتا ہو اگر کوئی عیب خدا میں کوئی مانے وہ توحید کا منکر ہوگا۔ اور منجملہ عیوب کے ایک عیب وقوعِ کذب (۲) بھی ہے لہذا جس میں کذب پایا جائیگا وہ خدا نہ ہوگا اور قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ تو جو شخص آپ کو رسول نہ مانے اس نے خدا کو کاذب کہا اور جو کاذب کہے وہ موحد نہیں پس انکارِ رسالت مستلزم ہے انکار خدا کو تو ثابت ہوا کہ منکر رسالت کو تمہارے ہی قاعدے سے نجات نہیں ہوسکتی اور میں نے کہا کہ قیامت تک اس کے جواب کی مہلت دیتا ہوں۔

قومیت پرستی

بلکہ اس سے بھی زیادہ غرض ان لوگوں کا مذہب محض ان کی قوم ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کی کسی اسلامی خدمت سے مسلمانوں کا دل خوش نہیں ہوتا کیونکہ ان کی تمام خدمات۔ قوم کی دنیاوی ترقی کے لئے ہوتی ہیں اسلام کے لئے نہیں ہوتیں دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر یہ خدمات اسلام کے لئے ہوتیں تو اس کی غایت رضاء خداوندی ہوتی جو کہ اسلام کی اصلی غایت ہے اور اگر یہ غایت ہوتی تو اس کے آثار بھی ضرور نمایاں معلوم ہوتے اور ہر ہر کام میں اُس کی جھلک موجود ہوتی حالانکہ ہم اس کے برخلاف یہ دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ اہلِ دین اور خادمین مذہب کو نہایت درجہ ذلیل سمجھتے ہیں اور اُن پر تمسخر کرتے ہیں۔ نماز روزہ عبادت میں شکوک پیدا کئے جاتے ہیں تو اگر یہ

(۱) نہ اس کا شریک نہ اس کے برابر (۲) عیبوں میں سے ایک عیب اس سے جھوٹ کا واقع ہونا بھی ہے۔

لوگ مذہبِ اسلام کو حق سمجھتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی رضا کے جویاں ہیں تو ان حرکات کی کیا وجہ۔ معلوم ہوا کہ محض قوم کے لئے سب خدمات کی جاتی ہیں اور طُرّہ یہ کہ قوم کے لئے بھی جو کچھ نامبارک بیداری پیدا ہوئی وہ دوسری قوموں کو ہندوؤں آریوں عیسائیوں کو دیکھ کر اور نامبارک بیداری اس لئے کہا گیا کہ دین سے لاپروائی اور اعتراضات یہ اسی بیداری کا نتیجہ ہیں ان کے لئے اس بیداری سے خواب ہی بہتر تھا ؎

ظالمی را خفتہ دیدم نیمروز گفتم ایں فتنہ است خوابش بُردہ بہ
آنکہ خوابش بہتر از بیداریست آں چنا بد زندگانی مردہ بہ

''میں نے ایک ظالم شخص کو دوپہر میں سوتے ہوئے دیکھا میں نے دل میں کہا یہ ایک فتنہ ہے اس کا سونا ہی بہتر ہے اور جو شخص ایسا ہو کہ جاگنے سے اس کا سونا ہی بہتر ہو ایسی بری زندگی والے کا مرجانا ہی بہتر ہے''

مکّار پیروں کی مثال

صاحبو! ہمارے پرانی وضع کے امراء اگرچہ بہت سے قبائح میں گرفتار ہیں گنہگار ہیں بدعمل ہیں لیکن ان میں اتنی بات اب بھی باقی ہے کہ خدا اور رسول ﷺ کا نام یا ارشادات واحکام سن کر شرمندہ ہوجاتے ہیں اور اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہیں اپنے کو خطاوار سمجھتے ہیں خدا کے نیک بندوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کردیتے ہیں وہ اگرچہ بھنگڑ(۱) ہی ہوں لیکن ان میں فروتنی عجز وانکسار نیک نیتی ضرور ہے تو ایسے لوگ عملی غلطی میں مبتلا ہیں اور ایسے قابل رحم ہیں چنانچہ ایسے ہی لوگوں کے ایک شہر کے متعلق میرے ایک بزرگ کہتے تھے کہ اُس جگہ کے فقیر جہنمی اور امیر سب جنتی ہیں کیونکہ اُمراء تو فقراء کو اللہ والا سمجھ کر ان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور فقراء تحصیل مال وجاہ کے لئے امراء سے ملتے ہیں آج کل کے پیروں کی حالت سوچ کر مجھے ایک شخص کا خواب یاد آتا ہے کہ اُس نے اپنے پیر سے کہا کہ میں نے ایک خواب دیکھا

(۱) وہ اگرچہ نشئی گپی ہی ہوں۔

ہے یعنی یہ کہ میری انگلیوں میں نجاست لگی ہے اور آپ کی انگلیوں میں شہد لگا ہے۔ پیر صاحب نے کہا تو دنیا کا کتا گنہگار ہے ہم تارک دنیا ہیں ایسا تو ہونا ہی چاہئے۔ مُرید نے عرض کیا کہ حضور ابھی خواب ختم نہیں ہوا میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ میں آپ کی انگلیا چاٹ رہا ہوں اور آپ میری انگلیاں اس پر پیر صاحب بہت خفا ہوئے۔ خیر یہ خواب تو خواہ صحیح ہو یا غلط لیکن آج کل کے مکار اور طالب دنیا پیروں کی حالت تو واقعی ایسی ہی ہے۔

پرانی وضع کے لوگوں کا حال

مقصود یہ ہے کہ پرانی وضع کے لوگ اگر چہ رند (۱) بھی ہوں لیکن وہ دین کا جو کچھ کام کرتے ہیں دین کی نیت سے کرتے ہیں۔ تو ان لوگوں میں اگر چہ بیدار مغزی نہیں بلکہ نری رندی ہے لیکن اُن کی حالت پر یاد آتا ہے کہ ؎

گنہ آمرزِ رندانِ قدح خوار بطاعت گیر پیرانِ ریا کار

''وہ شراب خور آزاد لوگ بھی جو پیالے پر پیالے چڑھاتے ہیں اور نئے نئے گناہ ایجاد کرنے والے ہیں ریا کار پیروں کے اطاعت گزار ہیں''

ایک بھنگڑا (۲) بھی اگر ان کے سامنے خدائی حکم بیان کرے تو وہ خوف زدہ ہوجاتے ہیں تو یہ لوگ اگر چہ بدعمل ہیں لیکن ان میں قوت ایمانیہ ضرور ہے اور اس قوتِ ایمانیہ کی بدولت ایسے لوگ پیروں سے بھی تعلق رکھتے ہیں اگر چہ اپنی جہالت اور کم علمی کی وجہ سے پیر پرستی (۳) تک نوبت پہنچادی ہے بلکہ پیروں سے گذر کر قبر پرستی تک (۴) پہنچ گئے ہیں لیکن ان گنہگاروں میں اور بیدار مغز آزادوں میں موازنہ کرکے رحم اللہ النباش الاول ''اللہ تعالیٰ پہلے کفن چور پر رحم کریں'' یاد آتا ہے یہ زبان عربی کی ایک مثل ہے جس کا قصہ یہ ہے کہ مکہ میں ایک شخص نباشی (۵) کیا کرتا تھا اہل شہر اس سے سخت عاجز تھے کہ یہ مرجائے آخر ایک روز وہ مرگیا اس کے مرنے کے بعد اس کے

(۱) آزاد منش (۲) ایک پگی آدمی (۳) پیروں کی پوجا تک (۴) قبروں کو پوجنے لگے (۵) کفن چوری۔

لڑکے نے پدری(۱) کام انجام دینا شروع کیا لیکن اتنا اضافہ بھی اس کام میں کرلیا کہ کفن چرا کر مردہ کے ایک میخ(۲) ٹھوک دیتا تھا اس پر یہ مثل جاری ہوئی اور عام ہوکر ہر ایسے موقع پر کہ دو برے آدمیوں میں سے دوسرا پہلے سے زیادہ برا ہو بولی جانے لگی تو نباشی کے اعتبار سے اگرچہ پہلا اور دوسرا دونوں قابل نفریں(۳) ہیں لیکن اضافہ کی(۴) رو سے دوسرا زیادہ قابل ملامت ہے اور پہلا اس کے مقابلے میں قابل مدح(۵) ہے اسی طرح نفسِ گناہ کے اعتبار سے دونوں فرقوں کی حالت افسوس کے قابل ہے لیکن پرانی وضع کے لوگ ابھی تک دولت ایمان سے بہرہ ور ہیں اور ان کی یہ حالت کسی درجے میں اب بھی یہ ہے کہ ﴿ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا ﴾ کہ جب ان کے سامنے خدا تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں اور اس کے احکام سنائے جاتے ہیں تو ان کے ایمان کو قوت ہوتی ہے اور اپنی بدعملی پر رنج اور افسوس ہوتا ہے۔

جدت پسند جماعت

برخلاف اس نو پیدا جماعت(۶) کے کہ یہ لوگ اکثر عملی خرفات سے تو پرہیز کرتے ہیں ناچ نہیں دیکھتے فضول رسوم کو روکتے ہیں بیوی کو فضول زیور بنانے سے روکتے ہیں وغیرہ وغیرہ اگرچہ یہ سب باتیں بھی ان لوگوں کی دوسروں ہی کے لئے ہیں مثلاً بیوی کو تو فضول روپیہ خرچ کرنے سے روکتے ہیں اور خود سینکڑوں روپیہ ہارمونیم وغیرہ خرافات میں برباد کردیتے ہیں۔ اور ان لوگوں کی اس روک ٹوک کو دیکھ کر بھولے بھالے مولوی بہت خوش ہوتے ہیں حالانکہ یہ کوئی مسرت(۷) کے قابل نہیں اس لئے کہ یہ ممانعت خلاف شرع ہونے کی نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ اس قسم کی رسوم وغیرہ خلاف

(۱) والد کا کام یعنی کفن چوری کرنا شروع کردئے (۲) کیل ٹھوک دیتا تھا (۳) کفن چوری کرنے کے اعتبار سے اگرچہ پہلا اور دوسرا دونوں قابل نفرت ہیں (۴) لیکن ایک عمل کی زیادتی کی وجہ سے دوسرا زیادہ قابل نفرت ہے (۵) قابل تعریف (۶) اس نئی بنی ہوئی جماعت کے (۷) قابل خوشی نہیں۔

عقل ہیں اور اگر شریعت کے خیال سے ممانعت ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ رسوم شادی غمی کو تو روکا جائے اور سود ورشوت کی آمدنی کو حلال بنانے کی کوشش کی جائے۔ غرض یہ کہ یہ جماعت ظاہری حالت کے اعتبار سے سراپا مہذب ہے مگر مذہب سے بالکل الگ ہے اور ان کا سارا اسلام محض دنیا کی درستی ہے اور اسی لئے ان کی ذکاوت یا جدت (۱) بالکل قابل قدر نہیں ہے میرے نزدیک ان لوگوں کی سرحد بھی قسم اول بعض منکرین اسلام کی سرحد سے ملی ہوئی ہے گو ملک الگ ہیں لہذا ان کی حالت بھی نہایت خطرناک ہے اور چونکہ یہ لوگ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اس لئے ہم بھی خاموش ہیں ورنہ انصاف یہ ہے کہ ان لوگوں میں کوئی بات بھی اسلام کی نہیں ہے بلکہ ہر ہر بات اسلام کے خلاف ہے۔

اصلاح کا طریقہ

اور اس کا علاج یہی ہے کہ چند روز کسی صاحب باطن کے پاس رہے۔ میں نہایت شفقت سے کہتا ہوں کہ اگر اپنی اصلاح کی فکر ہے اور اصلاح کو ضروری سمجھتے ہو تو چند روز کسی مولوی کے پاس رہ لو اگر کہو کہ مولوی تو سب کھانے پینے کے ہوتے ہیں ان کے پاس رہنے سے اصلاح کیونکر ہوگی تو میں کہتا ہوں کہ یہ خیال بالکل غلط ہے تم سب مولویوں کے پاس تھوڑا تھوڑا قیام کر کے دیکھ لو انشاء اللہ تم کو اپنی غلطی خود معلوم ہو جائیگی اور دیکھ لوگے سب ایک طرح کے نہیں ان میں تمہارے مصلح (۲) بھی ملیں گے اور اگر ایسا کرنا یعنی ایک کو دیکھ کر آزما کر پھر دوسرے کی طرف رجوع کرنا دشوار معلوم ہو تو میں کہوں گا کہ اگر کسی بازاری عورت سے محبت ہو جاتی ہے اور لوگ تم کو وصال کی امیدیں دلا کر رہبری کا وعدہ کرتے ہیں اور پھر دھوکے پر دھوکا دیتے ہیں اُس وقت ہر مدعی (۳) رہبری کے ساتھ کیوں ہو لیتے ہو اور یہ بارِ دعذر (۴) اس وقت کہاں چلے جاتے ہیں۔ صاحبو! خدا تعالیٰ کے ساتھ اتنی محبت بھی نہیں اور اس کے

(۱) ان کی ذہانت اور جدت پسندی (۲) تمہاری اصلاح کرنے والے (۳) ہر راہنمائی کے دعویدار (۴) یہ فضول عذر اس وقت کیوں نہیں کرتے۔

طریق کی اتنی جستجو بھی نہیں ہوسکتی۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے خوب کہا ہے ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود گوئی گشتن بہرِ او اولیٰ بود

''مولیٰ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے کب کم ہوتا ہے بلکہ اس کے عشق میں کوچہ میں پھرنا زیادہ بہتر ہے''

صاحبو! اگر ہر تعطیل میں (۱) ایک ہفتہ ایک ایک بزرگ کے پاس قیام کرلوتو کیا بڑا حرج ہوجائے پھر جب کوئی شافی کافی ملجائے پس اُس کو لے لو۔

نفس پرستی کا علاج

ایک مرتبہ اختلال عمل (۲) کا یہ ہے کہ اعتقادات سب درست ہوں مگر کاہلی اور حظوظ پرستی کی وجہ سے دنیا میں انہماک (۳) ہو اور نفس پرستی درستی اعمال نہ کرنے دیتی ہو اس طبقے کا علاج یہ ہے کہ ان کو چاہیئے کہ موت کو یاد کیا کریں۔ موت وہ چیز ہے کہ اس کے یاد کرنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ ہر طرح حالت درست ہوجائیگی۔ کیونکہ اعتقاد تو پہلے سے صحیح ہے صرف حظوظ (۴) کو کم کرنے کی ضرورت ہے اس کا علاج اس سے ہوجائے گا۔ چنانچہ ارشاد ہے اکثروا ھا ذم اللذات الموت ''لذتوں کو ختم کردینے والی یعنی موت کا ذکر زیادہ کیا کرو'' اس حدیث کے الفاظ خود غور کرنے کے قابل ہیں کہ اول موت کی صفت کو بیان کیا اس کے بعد موت کے نام کی تصریح فرمائی جس سے اس امر اکثروا (۵) کی حکمت دریافت ہوگئی یعنی موت زیادہ یاد کرنے میں حکمت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے لذات کی جڑ اکھڑ جاتی ہے اور سہل ترکیب اس کے یاد کرنے کی یہ ہے کہ ایک وقت مقرر کرکے مراقبۂ موت کیا کرے اور سوچا کرے کہ ایک دن میں مروں گا دوزخ اور جنت میرے سامنے پیش کی جائے گی اگر میں گنہگار

(۱) چھٹیوں کے زمانے میں (۲) عمل میں خلل پڑنے کا ایک درجہ (۳) لذتوں کی طلب کی بنا پر دنیا میں مشغول ہو (۴) خواہشات (۵) اس حکم ''اکثروا'' کی حکمت معلوم ہوگئی۔

مروں گا تو جنت کو مجھ سے چھپا لیا جائیگا اور تا قیامت مجھ کو عذاب قبر ہوتا رہے گا پھر قیامت آئیگی اور سب کے نامہائے اعمال ان کو دکھلائے جائیں گے اس کے بعد حساب ہوگا اگر خدانخواستہ میری ناشائستہ حرکات بڑھ گئیں تو فرشتے کشاں کشاں (۱) مجھے جہنم کی طرف لے جائیں گے وغیرہ وغیرہ اس مراقبے سے انشاء اللہ تعالیٰ انہاک فی الدنیا (۲) کا مرض بالکل زائل ہوجائے گا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دن میں بیس دفعہ موت کو یاد کرے گا اس کو شہادت حاصل ہوگی مگر موت کے یاد کرنے کے یہ معنی نہیں کہ لفظ موت کو بیس دفعہ دہرالیا جائے اسی لئے کہ موت کو یاد کرنے سے شہادت کا درجہ حاصل ہونے کی وجہ یہ ہے اب ذرا تھوڑے دنوں کے لئے اس کو چھوڑ کر حال پیدا کیجئے مگر یہ بدوں صحبت (۳) اہل اللہ کے نہیں ہوتا۔ چند روز تک ان کی صحبت کی نہایت ضرورت ہے اس سے انشاء اللہ تعالیٰ سب گناہ چھوٹ جائیں گے۔

شبہ کا جواب

اس مقام پر ممکن ہے کسی کو یہ شبہ ہو کہ اہل اللہ سے خود گناہوں کا صدور (۴) ہوتا ہے تو ان کی صحبت سے دوسروں کے گناہ کیونکر چھوٹ جائینگے اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو ان حضرات سے گناہ بہت کم ہوتا ہے دوسرے اگر کبھی ابتلا ہوجاتا ہے تو فوراً ان کو تنبہ ہوتا ہے (۵) اور وہ ندامت و گریہ وزاری سے (۶) اُسے معاف کرالیتے ہیں ہم لوگوں کو نہ تنبہ ہوتا ہے نہ اُس پر کڑھتے ہیں ہم کو شیطان نے سمجھا دیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے اس لئے جو جی میں آئے کرو۔

(۱) آہستہ آہستہ دوزخ کی طرف گھسیٹ کر لے جائینگے (۲) دنیا میں مشغولی کی بیماری زائل ہوجائے گی (۳) اہل اللہ کی صحبت کے بغیر (۴) اہل اللہ بھی تو گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں (۵) کبھی گناہ ہوجائے تو فوراً احساس ہوجاتا ہے (۶) اور رو دھو کر شرمندگی کا اظہار کر کے اس کو معاف کرالیتے ہیں۔

واعظین کو نصیحت

اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں اپنے کو اس سے خارج سمجھتا ہوں۔ ہم ہی لوگوں کی بابت حافظ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ؎

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و ممبر میکنند چوں بخلوت میر سند ایں کارِ دیگر میکنند

''تقریریں کرنے والے جو محراب و منبر پر بیٹھ کر بڑا شاندار وعظ کہتے ہیں جب خلوت اور تنہائی میں جاتے ہیں تو جو جی میں آتا ہے کرتے ہیں''

مگر ہم واعظوں نے اس کے ایک نئے معنی گھڑے ہیں یعنی حافظ رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب یہ ہے کہ جب جلوت میں جاتے ہیں تو ذکر اللہ میں مشغول ہوتے ہیں لیکن اس کے بعد کا شعر اس معنی کی گنجائش نہیں چھوڑتا ؎

مشکلے دارم زدانشمندِ مجلس باز پرس توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر مے کنند

''مجھے ایک مشکل یہ درپیش ہے کہ کوئی مجلس میں بیٹھنے والے عقلمند سے پوچھے کہ دوسروں کو توبہ کا حکم کرتے ہیں خود کیوں بہت کم توبہ کرتے ہیں''

کہ دوسروں کو تو گناہوں سے روکتے ہیں اور طاعات کی ترغیب دیتے ہیں اور خود اس آیت کے مصداق بن رہے ہیں: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ اور ﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ﴾ ''اے مسلمانوں ایسی بات کیوں کہتے ہو جو تم خود نہیں کرتے کیا تم لوگوں کو تو بھلائی کا حکم کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب کو پڑھتے ہو یہاں بعض لوگوں کو اس میں یہ شیطانی دھوکا ہو جاتا ہے کہ وہ وعظ ہی چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب ہماری حالت خود ہی درست نہیں تو ہم دوسروں کو کس منہ سے کہیں حالانکہ ایسا شخص اپنے آپ کو بالکل سونپ دے گا اور تسلیم کر دیگا اور اس کے حظوظ نفسانی بالکل چھوٹ جائیں گے اور یہ ان لوگوں میں ہوگا کہ ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

''جو لوگ تسلیم ورضا یعنی عشق کی تلوار کے مارے ہوتے ہیں غیب کی جانب سے ہر ہر گھڑی اُن کو نئی زندگی حاصل ہوتی ہے''

بس موت کو یاد کرنا وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا یہ تقسیم تو اہلِ دنیا کے حالات کے اعتبار سے تھی۔

اہل ظاہر کا حال اور ان کی اصلاح کا طریقہ

اب اہلِ دین کی خدمت میں متوجہ ہوتا ہوں۔ ان میں ایک تو اہلِ ظاہر ہیں ان کی تو یہ حالت ہے کہ بعض اعمال جو عرفاً ان کی وضع کے خلاف نہیں ہیں اگرچہ شرعاً منہی (۱) عنہ ہیں وہ اُن میں مبتلا ہیں اور جن اعمال سے اُن کے ظاہری تقدس پر حرف آنے کا اندیشہ ہو اُن سے احتراز کرتے ہیں مثلاً غیبت کہ بہت بڑا گناہ ہے مگر چونکہ عادتاً خلاف تقدس نہیں سمجھا جاتا اس لئے اکثر ایسے لوگ اس میں مبتلا ہیں اور جب بے کار چار آدمی بیٹھتے ہیں تو غیبت شکایت ضرور کرتے ہیں اور شراب پینا چونکہ تقدس کے خلاف ہے اس لئے اُس کے پینے سے احتراز کرتے ہیں۔ اور غضب یہ ہے کہ ایسے لوگ خود بھی اپنے کو مقدس سمجھتے ہیں سبحان اللہ یہ عجیب تقویٰ ہے کہ کچھ ہی کر لیجئے پھر متقی کے متقی رہیئے تو گویا ایسے لوگوں کا تقویٰ بی بی تمیزہ کا وضو ہے کہ اُسے ایک مرتبہ کسی بزرگ نے وضو کرا دیا تھا پھر ساری عمر اُس ایک وضو سے اس نے نماز پڑھی تو جیسے بی بی تمیزہ کا وضو نہ پیشاب سے ٹوٹتا تھا اور نہ پاخانہ سے ایسا ہی ان متقیوں کا تقویٰ نہ غیبت سے ٹوٹتا ہے نہ شکایت سے کچھ ہی کر لیں مگر یہ تاج الاتقیا بنے رہیں گے (۲)۔ صاحبو! اگر یہ اس کو گناہ نہیں سمجھتے تو یہ سخت غلطی ہے اور اگر گناہ سمجھتے ہیں اور پھر اس بے پروائی کے ساتھ مبتلا ہیں تو بہت ہی سخت غلطی ہے ۔

(۱) شرعی طور پر ممنوع ہیں (۲) متقی لوگوں کے سرکا تاج۔

فَاِنْ کُنْتَ لَا تَدْرِیْ فَتِلْكَ مُصِیْبَةٌ وَاِنْ کُنْتَ تَدْرِیْ فَالْمُصِیْبَةُ اَعْظَمُ

''اگر تو نہیں جانتا تھا اس لئے گناہ کیا تب تو گناہ ہے ہی اور اگر جانتا ہے اور پھر گناہ کیا تو بہت بڑا گناہ ہے'' اس کا علاج یہ ہے کہ ؎

قال را بگذار مرد حال شو پیش مردِ کامل پامال شو

''باتیں بنانا چھوڑ دو اہل حال بنو اور اس کام کے لئے کسی مرد کامل ولی کی خدمت کرو''

آج تک آپ لوگوں نے قال یقول کی خدمت کی ہے اس لئے شریعت کا رنگ نہیں چڑھا۔ یہ دوسرا جرم ہے کیونکہ انہوں نے ترکِ عمل بھی کیا اور ترکِ تبلیغ بھی کیا۔ ان اہل ظاہروں میں مذکورہ بالا کمی کے ساتھ ایک کمی یہ بھی ہے کہ چونکہ ان میں نسبت مع اللہ راسخ نہیں ہوتی اس لئے اس کے خواص و آثار سے بھی خالی ہوتے ہیں اور اس سبب سے ایک گونہ محبت مال سے اُن کو ہو جاتی ہے اور اس محبت مالی کے سبب ایسے لوگ اہل دنیا کے پاس جا کر اپنی حالت ظاہر کرتے ہیں اور ان کی نظروں میں ذلیل ہوتے ہیں اور ان کی ذلت کی وجہ سے علمِ دین کی ذلت ہوتی ہے ان لوگوں کو یہ سمجھنا چاہیئے بِئْسَ الْفَقِیْرُ عَلٰی بَابِ الْاَمِیْرِ ''وہ درویش بہت برا جو امیر کے دروازہ پر جاتا ہے''

اہل اللہ کا حال

ان کی تو یہ حالت ہونی چاہیئے کہ ایک بزرگ کے پاس ایک بادشاہ گئے وہاں خدّام کا پہرہ تھا بادشاہ نے اندر جانے کی اجازت چاہی خادم نے اجازت نہ دی اور کہا کہ اول میں شیخ سے دریافت کرلوں اگر وہاں سے اجازت ہوگئی تو اجازت دیدوں گا چنانچہ شیخ سے جا کر عرض کیا اور شیخ کے اجازت دینے پر آ کر بادشاہ کو اجازت دیدی بادشاہ کو چونکہ اس قسم کی روک ٹوک کی کبھی نوبت نہیں آتی تھی سخت ناگوار گذرا اور شیخ کے روبرو جا کر برہمی کے لہجے میں کہنے لگا کہ ؎

درِ درویش را درباں نباید ''درویش کے دروازہ پر درباں نہیں رہتا ہے''

اس کو سنکر شیخ نے اس کے تکبر کے مقابلے میں نہایت بے باکانہ انداز سے فرمایا کہ ؎ بباید تاسگِ دنیا نیاید ''درباں ضرور چاہیئے تا کہ کوئی دنیا کا کتا نہ گھسے'' اور وجہ اس بے پروائی اور استغنا(۱) کی یہ ہوتی ہے کہ ؎

طمع بگسل وہرچہ خواہی بگو

''حرص اور لالچ کو چھوڑ دو پھر جو جی میں آئے کہو یعنی لالچی آدمی حق بات نہیں کہہ سکتا''

حضرت سلیم رحمۃ اللہ علیہ چشتی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ وہ پیر پھیلائے ہوئے بیٹھے ہوئے تھے کہ بادشاہ مع وزیر کے آیا بادشاہ کو دیکھ کر آپ اسی طرح بیٹھے رہے وزیر کو آپکا یہ انداز گراں گزرا اُس نے کہا کہ حضرت پیر پھیلا کر بیٹھنا کب سے سیکھ لیا۔ فرمایا کہ جب سے ہاتھ سمیٹ لیا ہے۔ اس کے بعد وزیر نے کہا کہ بادشاہ اولی الامر(۲) میں داخل ہے اس کی تعظیم آپ کو کرنی چاہیئے فرمایا کہ بادشاہ تمہارے اولی الامر(۳) میں ہوگا میرے تو غلام کا غلام ہے وزیر نے کہا کہ حضرت یہ کیسے؟ فرمایا کہ ہواوہوس میرے غلام ہیں اور بادشاہ ہواوہوس کا غلام ہے لہذا میرے غلام کا غلام ہوا۔

مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ جب آپ لکھنؤ تشریف لائے۔ تو ایک شاہزادہ خدمت میں حاضر ہوا اور زمین بوس(۴) سلام کیا آپ نے اس سلام کے جواب میں اس کو انگوٹھا دکھلایا۔ آج تو اگر کوئی معمولی زمیندار مرید ہوجائے تو بسا غنیمت سمجھا جاتا ہے آخر یہ کیا بات تھی۔ بات یہی تھی کہ ان حضرات کے دل میں دنیا کی نہ وقعت تھی نہ محبت اور پھر یہ بھی نہیں کہ ان حضرات کی زندگی تکالیف میں بسر ہوئی ہو بخدا ان کی زندگی ایسی آسائش (۵) میں بسر ہوتی ہے کہ دوسروں کو وہ آسائش نصیب بھی نہیں ہوتی اگر کسی کو اس میں کلام ہو تو وہ آج بھی بزرگوں کی حالت کو جا کر دیکھ لے کہ وہ کس قدر آسائش میں ہیں اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ان حضرات

(۱) بے نیازی (۲) قرآن کریم نے اولی الامر (حکام) کے ادب کا حکم دیا ہے (۳) تمہارا حاکم ہوگا (۴) زمین تک جھک کر سلام کیا (۵) راحت وآرام۔

کو ظاہری بے لطفی کسی قسم کی ہوتی بھی ہے تو یہ سمجھ لو کہ ان کے دل میں ایک ایسی چوٹ لگی ہے کہ اُس بے لطفی میں ہزاروں لطف ہیں (۱) غرض اس فرقہ میں حب مال کا مرض ہے اس کا علاج بھی وہی ہے کہ اہلِ باطن کی صحبت سے ان کو مستفیض (۲) ہونا چاہیئے۔

اہل باطن کا حال

دوسرا فرقہ اہل دین میں وہ ہے جو اہلِ باطن کہلاتے ہیں یہ لوگ اپنے دل میں بہت خوش ہونگے کیونکہ سارے فرقوں میں تو کوتاہیاں اور عیب نکال دیئے گئے اب صرف یہی ایک فرقہ رہ گیا ہے تو درجہ بدرجہ ترقی ہوکر یہی فرقہ ایسا نکلے گا جس میں کوئی عیب نہ ہو۔ اور اپنے مقابلین میں سب سے اچھے یہی ثابت ہوں گے۔ سوغرض یہ ہے کہ یہ حضرات سب سے اچھے ہیں۔ لیکن یہ قاعدہ ہے کہ جو چیز زیادہ لطیف ہوتی ہے اگر وہ بگڑتی ہے تو دوسری سب چیزوں سے زیادہ بدبو اُس میں پیدا ہوتی ہے اور یہ حضرات دوسرے سب فرقوں سے لطافت اور نظافت میں بڑھے ہوئے ہیں اس لئے ان میں اگر کچھ خرابی پیدا ہوگئی تو سب سے زیادہ بدبو نما ہوگی سو اس فرقے میں خدا کے فضل و کرم سے وہ عیوب تو نہیں ہیں جو مذکورہ بالا فرقوں میں تھے مگر انصاف یہ ہے کہ یہ بھی کوتاہیوں سے خالی نہیں۔ چنانچہ بعض لوگوں میں یہ کوتاہی ہے کہ انہوں نے بالکل یکسوئی (۳) اختیار کرکے اس کو ایسا ضروری اور اپنا مابہ الامتیاز (۴) سمجھا کہ بیچارے دنیاداروں سے بدخلقی برتنی شروع کردی (۵) حالانکہ یہ شریعت میں مطلوب نہیں شریعت نے بدخلقی (۶) کی سخت ممانعت کی ہے ہمارے حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرماتے تھے کہ فقراء کو بدخلق (۷) نہ ہونا چاہیئے اور فرماتے تھے کہ بزرگوں کا ارشاد ہے بِئْسَ الْفَقِیْرُ عَلٰی بَابِ الْاَمِیْرِ وَنِعْمَ الْاَمِیْرُ

(۱) وہ بے آرامی آرام سے ہزار درجہ بہتر ہے (۲) اہل باطن کی صحبت سے فائدہ اٹھائیں (۳) تنہائی (۴) دنیاداروں سے امتیاز کا ذریعہ سمجھا (۵) برے اخلاق سے پیش آنا شروع کردیا (۶) برے اخلاق سے پیش آنے کی (۷) بداخلاق والا نہ ہونا چاہیئے۔

عَلٰی بَابِ الْفَقِیْرِ ''برا ہے درویش کا امیر کے دروازہ پر جانا۔ وہ امیر بہت اچھا ہے جو درویش کے دروازہ پر جاتا ہے'' تو جب کوئی امیر فقیر کے دروازے پر جاتا ہے تو وہ نعم کا مصداق (۱) ہوکر جاتا ہے اس واسطے ہم کو اس نعم کی تعظیم کرنی چاہیئے اگر چہ من حیث الامیر اس کی تعظیم نہ ہو (۲)۔ اور اسی بنا پر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ امرا کی بہت تعظیم فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے اَنْزِلَ النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ مَنَازِلِھِم '' مرتبہ کی اعتبار سے لوگوں سے پیش آؤ'' یہ تو نقل تھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد اور برتاؤ کی اس کے ماسواء ایک بات میری سمجھ میں آتی ہے کہ امراء کو جو وصف امارت حاصل ہوا ہے خدا تعالیٰ کی جانب سے عطا ہوا ہے لہذا ہم کو ضروری ہے کہ اس کے حق کی رعایت کریں البتہ ان سے تعلق نہ کرنا چاہیئے بس یہ برتاؤ رکھنا چاہیئے کہ جو تمہارے پاس آئے خوش ہوکر جائے۔ صاحبو! اگر آپ لوگ امراء کو اپنے پاس نہ آنے دیں گے اور ان سے بدخلقی (۳) سے پیش آئیں گے تو آخر وہ لوگ کہاں جائیں گے اور کس جگہ اپنا ٹھکانہ تلاش کریں گے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ تم خود ان کے دروازے پر نہ جاؤ۔

اہل باطن کو نصیحت

مگر اس میں بھی اس قدر تفصیل ہے کہ اگر تم سے اصلاح ناس (۴) متعلق ہو اور امراء تم کو خود بلائیں تو بشرطِ عدم تذلل چلے (۵) جاؤ اس میں انکار نہ کرو۔ مجھ سے بعض امراء نے یہ اعتراض پیش کیا کہ علماء ہماری خبر نہیں لیتے میں نے کہا کہ جناب کبھی آپ بھی تو توجہ کیجئے اس کے بعد دیکھئے کہ علماء آپ کی دستگیری (۶) کرتے ہیں یا نہیں۔ صاحبو! میں سچ کہتا ہوں کہ علماء پر دستگیری نہ کرنے کا الزام بالکل غلط الزام ہے امراء توجہ تو خود نہیں کرتے حالانکہ یہ ان کا کام ہے اور الزام علماء پر رکھتے ہیں اصل یہ

(۱) جب امیر فقیر کے دروازے پر آیا تو وہ بہترین کا مصداق ہوا (۲) امیر ہونے کی حیثیت سے (۳) برے اخلاق (۴) اگر تم لوگوں کی اصلاح کرنے کی خدمت میں مشغول ہو (۵) جبکہ تذلیل کا امکان نہ ہو چلے جاؤ (۶) ہاتھ پکڑتے ہیں کہ نہیں۔

ہے کہ ان کو طلب حق ہی نہیں ورنہ ممکن نہ تھا کہ یہ چین سے بیٹھ سکتے۔ ایک کوتاہی ان میں یہ ہے (اور اسی کوتاہی کی وجہ سے یہ بھی من وجہ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ(۱) کے مصداق ہیں) کہ ذکر کے آثار عاجلہ (۲) کو مطلوب سمجھتے ہیں۔ البتہ محققین اس سے مستثنیٰ ہیں۔ باقی محققین کے علاوہ اکثر اس کے منتظر رہتے ہیں کہ دل میں کچھ گرمی پیدا ہو یا کچھ نظر آنے لگے۔ صاحبو! یہ بہت کمی ہے اور یہ ایسا نقص (۳) ہے کہ اکثر اس پر نظر بھی نہیں جاتی اس کا علاج علمی تو یہ ہے جو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کبھی کوئی شخص آ کر شکایت کرتا اور کہتا کہ حضرت مجھے کچھ نفع نہیں ہوا تو فرمایا کرتے کہ یہ کیا تھوڑا نفع ہے کہ تم اللہ کا نام لیتے ہو اور مثنوی سے استشہاد (۴) فرمایا کرتے تھے مولانا کی مثنوی میں ایک شخص کا قصہ لکھا ہے کہ وہ روزانہ ذکر کیا کرتا تھا لیکن اس کو کوئی اثر مرتب ہوتا ہوا معلوم نہ ہوتا تھا آخر ایک روز مایوس ہو کر ذکر کئے بغیر ہی سو گیا خواب میں ایک فرشتے کو دیکھا اور اُس نے یہ سوال کیا کہ آج تم نے ذکر کیوں نہیں کیا کہنے لگا کہ کچھ نفع تو ہوتا ہی نہیں نہ وہاں سے کچھ جواب ملتا ہے ارشاد ہوا کہ ؎

گفت آں اللہ تو لبیک ماست ویں نیاز وسوز و دردت پیک ماست

''انہوں نے کہا کہ تیرا اللہ اللہ کہنا ہی ہماری طرف سے لبیک کہنا اور قبول کرنا۔ یہ تیرا نیاز اور سوزش اور درد سب ہمارے ہی تو دئے ہوئے ہیں''

کہ تمہارا اللہ اللہ کہنا یہی ہمارا لبیک کہنا ہے اور یہی جواب دینا ہے اور اس کو ایک مثال سے واضح فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم کسی صاحب اختیار رئیس کے پاس جاؤ اور اُس کو تمہارا جانا ناپسند ہو تو وہ تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کرے گا ظاہر ہے کہ دوسرے وقت گھسنے (۵) بھی نہ دے گا۔ پس خدا تعالیٰ کا پانچوں وقت کی نماز کے لئے

(۱) دنیا کی محبت میں گرفتار ہونے کا مصداق ہیں (۲) ذکر کے آثار کے فوری طالب ہوتے ہیں (۳) عیب (۴) مثنوی سے دلیل پیش کرتے (۵) اندر آنے بھی نہیں دیگا۔

مسجد میں آنے کی قوت باقی رکھنا ذکر کی توفیق عطا فرمانا یہ دلیل ہے اس کی کہ تمہارا پہلا عمل ناپسند نہیں ہوا ورنہ کوئی ایسا سخت پہرا ہوتا کہ تم مسجد میں گھسنے بھی نہ پاتے۔

نمازی اور بے نمازی کا حال

اور پہرے سے مراد ظاہری پہرہ نہیں بلکہ وہ پہرا مراد ہے جو کہ ایک نوکر اور آقا کے قصے میں ہوا تھا کہ دونوں بازار کام کو چلے راستہ میں نماز کا وقت آ گیا نوکر نمازی تھا آقا سے اجازت لے کر مسجد میں چلا گیا اور آقا دروازے پر بیٹھا رہا جب بہت دیر ہوئی آقا نے پکارا کہ بھائی باہر کیوں نہیں آتا نوکر نے کہا کہ آنے نہیں دیتا آقا نے کہا کہ کون نہیں آنے دیتا کہنے لگا کہ مجھے وہی باہر آنے نہیں دیتا جو تمہیں اندر نہیں آنے دیتا تو یہ پہرہ ہے جو کہ ایک قدم آگے بڑھنے نہیں دیتا اور جب کہ عمل کا مسلسل سلسلہ چلا جائے تو سمجھنا چاہیئے کہ سب مقبول ہو رہا ہے۔ یہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اور حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی تحقیق ہے۔

حاجی صاحب کا ملفوظ

ایک اور ملفوظ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اس موقع پر یاد آ گیا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ لوگ آ کر کچھ فائدہ نہ ہونے کی شکایت فرماتے تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جواب میں یہ ارشاد فرمایا کرتے ؎

یا بم اورا یا نہ یابم جستجوئی میکنم حاصل آید یا نیاید آرزوئے میکنم

''اس کو پاؤں یا نہ پاؤں جستجو کرتا رہوں کچھ حاصل ہو یا نہ ہو بس آرزو کرتا رہوں''

اس کا حاصل یہ ہے کہ نفع (۱) بھی نہ ہو تب بھی کچھ پرواہ نہ کرنی چاہیئے اس واسطے کہ ہم مخلوق اور غلام ہیں غلام کا یہ منصب نہیں (۲) کہ وہ کام کے معاوضہ کا امیدوار ہو اگر کسی غلام سے کہا جائے کہ جا کر کنوے سے پانی لے آؤ اور وہ کہے کہ

(۱) فائدہ (۲) غلام کے لئے مناسب نہیں۔

مجھے اس کے معاوضہ میں کیا ملے گا تو وہ نہایت گستاخ ہے تو ہم کو یہ سمجھنا چاہئے کہ ہم غلام ہیں اور اس وجہ سے ہم کو حکم ہے۔ اسی پر فرماتے ہیں:۔

حاصل آید یا نیاید آرزوئے میکنم (۱)

حکایت

اس کے استشہاد (۲) میں بوستان کی ایک حکایت یاد آئی شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بوستان میں ایک شخص کی حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص روزانہ عبادت کیا کرتا آخر ایک روز یہ آواز آئی کہ خواہ کچھ ہی کرو ہرگز قبول نہ ہوگا یعنی عدم النفع معلوم (۳) ہوگیا لیکن وہ پھر بھی عبادت میں مشغول رہا اس قصے کی خبر اُس کے ایک مرید کو بھی ہوئی اُس نے کہا کہ جب وہاں قبول ہی نہیں ہے تو عبادت کرنے سے کیا فائدہ۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے عزیز۔

توانی ازاں دل پرداختن کہ دانی کہ بے اوتواں ساختن

''اس کی طرف سے اپنے دل کو جب ہٹایا جاسکتا ہے جبکہ میں یہ یقین کروں کہ اس کے بغیر گذر ہوسکتی ہے''

قلب کو اُس سے فارغ کرسکتے ہیں جس کے بدوں گذر ہوجانے کی امید ہو (۴) اور جبکہ یہ نہیں ہے تو میں اب کہا جاؤں۔ معاً بحرِ رحمت (۵) جوش میں آیا اور یہ ارشاد ہوا کہ ؎

قبولست گرچہ ہنر نیستت کہ جز ماپناہ دگر نیستت

''تمہاری سب عبادتیں قبول ہیں اگرچہ یہ تمہارا کوئی کمال اور ہنر نہیں مگر چونکہ تمہارے لئے سوائے میرے اور کوئی پناہ کی جگہ ہے ہی نہیں''

کہ چونکہ کوئی پناہ نہیں ہے اس لئے قبول کرتا ہوں۔ تو ہمارا یہ مذہب ہونا چاہیئے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم اپنا کام کئے جائیں باقی ثمرات کا ترتب اس پر ذرا

(۱) کچھ حاصل ہو یا نہ ہو بس آرزو کرتا رہوں (۲) اس کی دلیل کے طور پر (۳) عبادت کرنے کا فائدہ نہ ہونا معلوم ہوا (۴) دل کو اس سے ہٹاسکتے ہیں جس کے بغیر گذر ہونے کی امید ہو (۵) فوراً رحمت الٰہی کا دریا جوش میں آیا۔

بھی نظر نہ ہونی چاہیئے ۔(۱)

بدرد وصاف ترا حکم نیست دم درکش   کہ آنچہ ساقی ماریخت عین الطافست

''شراب کے نیچے کا تلچھٹ ہو یا صاف شراب ہو تجھے سوچنے کی ضرورت نہیں بس چڑھا جا کیونکہ ہمارے ساقی نے جو کچھ بھی دیا ہے اس کی عین مہربانی ہے''

اور اگر ایسا نہ کیا تو تم ہی یُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَۃَ میں (۲) ہو کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کے نتیجے کا وعدہ آخرت میں ہے نہ کہ دنیا میں وہاں نیا بم البتہ نہ ہوگا بلکہ وہاں یہ ہے ﴿ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا ط وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴾ (سورۃ العنکبوت) ''وہ لوگ جو ہمارے راستہ میں کوششیں کرتے ہیں ہم ان کے راستے آسان کردیتے ہیں بیشک اللہ تعالیٰ مخلص لوگوں کے ساتھ ہیں'' اس آیت کے معنیٰ میں یہ سمجھتا ہوں کہ دنیا میں تو یہ وعدہ ہے کہ لَنَھْدِیَنَّھُمْ اور لطائف کے صاف ہونے کا کہیں وعدہ نہیں اور آخرت میں وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ اور معیت کا وجوب تو یہاں ہوجاتا ہے مگر کامل ظہور آخرت میں ہوتا ہے گو دنیا میں بھی اس کے آثار معلوم ہوں یعنی ایسا شخص اپنے قلب کو دیکھتا ہے کہ وہ خدا سے راضی ہے جس کی بابت ارشاد ہے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔ مگر عینی ظہور آخرت میں ہوگا(۳)۔ اب تمام مراتب تکبون کے معلوم ہوگئے ہوں گے۔ اگرچہ جزئیات بیان نہیں ہوئیں مگر اصول بحمداللہ بہت کافی بیان ہوگئے۔ اب خدا سے دُعا کیجئے کہ وہ توفیق عمل دے۔ آمین

برحمتك يا ارحم الراحمين۔ تمت (۴)

(۱) کام کئے جائیں اس پر نتیجہ مرتب ہونا ہو اس پر نظر نہ ہونی چاہئے (۲) تم بھی ان لوگوں میں شامل ہو جو دنیا کی محبت میں گرفتا ہیں۔ (۳) اس معیت کا مشاہداتی ظہور آخرت میں ہوگا (۴) اللہ تعالیٰ اس وعظ سے استفادہ کرنے والے سب احباب کو حب دنیا کے تمام درجات سے محفوظ رکھے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۲۹ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ